www.UrduFanz.com
خوف کی آواز
اشتیاق احمد
انسپکٹر کامران مرزا

ناول پڑھنے سے پہلے،
یہ دیکھ لیں کہ

○ یہ وقت نماز کا تو نہیں ہے۔
○ آپ کو سکول کا کوئی کام تو نہیں کرنا۔ کل آپ کا کوئی ٹسٹ یا امتحان تو نہیں؟
○ آپ کے ذمے گھر والوں نے کوئی کام تو نہیں لگایا۔
○ آپ نے کسی کو وقت تو نہیں دے رکھا۔

اگر ان باتوں میں سے کوئی ایک بھی بات ہو تو ناول الماری میں رکھ دیں۔ پہلے نماز اور دوسرے کاموں سے فارغ ہو لیں، پھر ناول پڑھیں۔

مخلص،
اشتیاق احمد

غلط آدمی

فون کی گھنٹی نے انھیں آنکھیں کھولنے پر مجبور کر دیا۔ انھوں نے لحاف میں سے ہاتھ باہر نکالا اور ریسیور اٹھا کر کان سے لگاتے ہوئے بولے:

"ہیلو بھئی! آپ جو کوئی بھی ہیں، صبح فون نہیں کر سکتے تھے۔"

"جی نہیں انکل! جلدی آئیے۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"جلدی آؤں! لیکن کہاں اور کیوں؟ آپ کون ہیں؟" وہ بولے۔

"اوہو۔ انکل! کمال ہوا، آپ تو واقعی نیند میں ہیں۔ اگر نیند میں نہ ہوتے تو میری آواز ضرور پہچان لیتے۔ میں ریحان ہوں۔ آپ کے دوست سلمان جاوید کا بیٹا۔"

"اوہ، یہ تم ہو ریحان۔ واقعی میں تمھاری آواز نہیں پہچان سکا۔ ہاں تو رات کے تین بجے میری یاد کس طرح آ گئی؟" انھوں نے کلائی پر بندھی گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

"ہم لوگ آج جان کے کمرے سے بہت خوف ناک قسم کی آواز

آتے سنی ہے۔ ابھی تک ہم اس آواز کا مطلب نہیں سمجھ سکے۔ ہم نے دروازہ زور زور سے کھٹکھٹایا، لیکن انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا اور نہ دروازہ کھولا۔ تالے کے سوراخ میں سے بھی کچھ نظر نہیں آ رہا۔ سوراخ کسی چیز سے بند کر دیا گیا ہے۔"

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو ریحان۔ کیا دوسری طرف کی کھڑکی دیکھ چکے ہو۔" انسپکٹر کامران مرزا پریشان ہو گئے۔

"کھڑکی بھی بند ہے۔ اس میں تو یوں بھی سلاخیں لگی ہیں۔ کمرے کا کوئی اور دروازہ نہیں ہے۔"

"ہوں! تب تو مجھے آنا ہی پڑے گا۔" یہ کہہ کر انہوں نے ریسیور رکھ دیا۔

اس وقت تک شہناز بیگم بھی آنکھیں کھول چکی تھیں۔

"میں جلد واپس آنے کی کوشش کروں گا۔ اٹھ کر دروازہ بند کر لو۔"

"جی بہتر۔" انہوں نے کہا اور اٹھ کھڑی ہوئیں۔

وہ کمرے سے نکلے ہی تھے کہ آفتاب، آصف اور فرحت کو اپنے کمرے کے دروازے پر کھڑے دیکھ کر چونک اٹھے۔

"تمہارے کمرے سے فون اٹھانا پڑے گا۔" انہوں نے مسکرا کر کہا۔

"کیوں انکل! کیا آپ نہیں چاہتے، ہم آپ کا ساتھ دیں۔" آصف

مسکرایا۔

"ہر معاملے میں ساتھ دینا ضروری بھی نہیں۔ خیر اب تو تم لوگ جاگ ہی گئے ہو، اب کہاں رکو گے۔" انہوں نے برا سا منہ بنایا۔

"شکریہ انکل، آپ نے درست اندازہ لگایا۔" فرحت بولی۔

"آفتاب، تم کیوں چپ ہو۔" انسپکٹر کامران مرزا نے اسے دیکھا۔

"جب فون کی گھنٹی بجی تھی اور پھر رکے بغیر بجتی ہی چلی گئی تھی تو اس نے ہم سے کہا تھا کہ فون نہ سنا جائے، کیونکہ یہ رات کے تین بجے آیا ہے، لیکن جب فون کی گھنٹی بجتی ہی چلی گئی تو میں فون کا ریسیور اٹھانے پر مجبور ہو گیا۔ اس وقت تک آپ بیدار ہو چکے تھے۔" آصف بولا۔

"ہوں، خیر چلو۔" وہ بولے۔

"لیکن انکل، شاید آفتاب کو اس وقت گھر سے نکلنا ناگوار گزر رہا ہے۔" فرحت نے شریر آواز میں کہا۔

"تو آفتاب کو یہیں رہنے دیتے ہیں۔ تم آرام کرو بھئی۔"

"شکریہ اباجان، اب کیا آرام کروں گا۔ تین بج رہے ہیں۔ دن نکلنے میں صرف تین گھنٹے باقی ہیں، لہٰذا کیوں نہ انکل سلمان جاوید سے ملاقات کر لی جائے۔ ان سے ملے ہوئے بھی ایک مدت گزر گئی ہے۔"

"تو پھر چلو، ابھی نہ بتاؤ۔ میں جانتا ہوں، تم جانے بغیر نہیں رہ سکتے۔" انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

وہ جیپ میں بیٹھ کر روانہ ہو گئے — سڑک ویران پڑی تھی۔ جوں ہی جیپ چلی ان کے دانت بجنے لگے —

"انکل سلمان جاہ کے کمرے سے آواز کو بھی ابھی نکلنا تھا — تین چار گھنٹے بعد بھی تو نکل سکتی تھی —" آفتاب بڑبڑایا لیکن پھر منہ مضبوطی سے بند کر لیا۔ کیونکہ دانت اور بھی زور سے بجنے لگے تھے۔

"کیوں بول کر اپنے دانت گھساتے ہو۔ آج تو تمہیں منہ بند ہی رکھنا پڑے گا —" فرحت نے شریر آواز میں کہا، لیکن اس کا بھی وہی حشر ہوا۔

"پہلے اپنے دانت سنبھالو۔" آفتاب بھنا اٹھا۔

"جیپ میں لڑنے کے قابل جگہ نہیں۔ اس بات کا خیال رکھنا۔" آصف مسکرایا۔

سلمان جاہ کی حویلی شہر کے ایک سرے پر واقع تھی — وہ شہر کے ہنگاموں سے بہت گھبراتے تھے، اس لیے انہوں نے اس حویلی میں رہنا پسند کیا تھا۔ یوں یہ حویلی ان کے باپ دادا، بلکہ شاید پردادا نے بنوائی تھی۔ ہوش سنبھالنے کے بعد انہوں نے شہر میں رہنا پسند کیا تھا، لیکن چند سال ہی گزر پائے تھے کہ پھر حویلی میں اٹھ آئے، کیونکہ شہر کا شور ان سے برداشت نہیں ہو سکا تھا — حویلی میں اٹھ آنے کی وجہ سے اگرچہ وہ اپنے دوستوں سے دور ہو گئے تھے، لیکن مہینے میں ایک آدھ بار وہ دوستوں سے ملنے کے لیے شہر ضرور آتے تھے یا پھر دوستوں کو اپنے ہاں بلاتے تھے — شہر سے واپس گئے ابھی انہیں صرف چھ

ماہ ہوئے تھے۔

"میں حیران ہوں، سلمان جاہ کے ساتھ کیا گڑبڑ ہو گئی ہے؟" انسپکٹر کامران مرزا بڑبڑائے۔

"ہو سکتا ہے، کوئی گڑبڑ نہ ہوئی ہو، ریحان کو وہم ہوا ہو۔" آفتاب بولا۔

"اس صورت میں سلمان جاہ کو دروازہ تو کھولنا چاہیے، جواب تو دینا چاہیے —" انسپکٹر کامران مرزا نے اعتراض کیا۔

"شاید وہ بہت گہری نیند میں ہوں اور اس عالم میں انہوں نے کوئی خواب دیکھا ہو۔ خواب ہی میں وہ آواز ان کے منہ سے نکلی ہو۔" آصف نے خیال ظاہر کیا۔

"نہیں بھئی، سلمان جاہ کی نیند اتنی گہری نہیں — یہ بات مجھے بہت اچھی طرح معلوم ہے، کالج کے زمانے میں ہم ایک ساتھ رہے ہیں —"

"چلیے پھر، وہاں چل کر معلوم کر ہی لیں گے۔" آفتاب نے منہ بنایا —

آخر وہ حویلی کے سامنے پہنچ گئے۔ آسمان پر چاند چمک رہا تھا، اس کی روشنی میں دور سے حویلی ایک بہت بڑا دیو نظر آئی — ایک لمحے کے لیے وہ کانپ ہی تو اٹھے — نزدیک پہنچ کر جیپ سے اترے اور آصف نے گھنٹی کا بٹن دبا دیا — فوراً ہی انہوں نے

ریحان کی کپکپاتی آواز سنی—

"تم، کون ؟"

"دروازہ کھولو بھئی، ہم پہنچ گئے۔"

دروازہ کھل گیا۔ انہیں ریحان اور اس کی بہن سعدیہ کے سپید چہرے دکھائی دیئے۔

"خیر تو ہے۔ تم تو بہت خوف زدہ دکھائی دے رہے ہو۔"

"جی ہاں، خوف زدہ نہ ہوں تو اور کیا کریں— وہ آواز ہی اتنی خوف ناک تھی۔ بالکل ایسے جیسے کسی شخص کو ذبح کیا جا رہا ہو۔ ہم دوڑ کر ابا جان کے کمرے تک دروازے تک پہنچے۔ انہیں آوازیں دیں، لیکن ان کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا، پھر دوڑ کر کھڑکی تک پہنچے، لیکن کھڑکی بھی اندر سے بند تھی— تالے کے سوراخ میں سے جھانک کر دیکھا، لیکن کچھ نظر نہ آیا۔ سوراخ بالکل بند ملا۔"

"اور سانگا کہاں ہے ؟" انسپکٹر کامران مرزا نے پوچھا۔

"ہم نے اسے بھی جگا دیا ہے— اب وہ ابا جان کے کمرے کے سامنے دھرنا مارے بیٹھا ہے— کہتا ہے، جب تک دروازہ نہیں کھلے گا، اس وقت تک زمین سے نہیں اٹھوں گا— ایسے وفادار ملازم آج کل کہاں ملتے ہیں۔ اس بے ایمان ملازم ضرور ملتے ہیں لیکن شوکی کے حساب سے ملتے ہیں۔"

وہ ان کے ساتھ اندر کی طرف بڑھے۔ بیگم سلمان جاہ کئی

سال گزرے، فوت ہو چکی تھی، مگر اس گھر کے تین ہی افراد تھے اور ایک ملازم سانگا— اتنی بڑی حویلی میں صرف تین چار آدمی رہتے تھے، لیکن چونکہ سلمان جاہ بہت دلیر، باحوصلہ اور طاقت ور انسان تھے۔ اس لیے خوف نام کی کوئی چیز ان کے پاس سے بھی نہیں گزرتی تھی اور شاید خوف زدہ ہونے کا یہ پہلا موقع ان کی زندگی میں آیا تھا—

برآمدہ طے کرنے کے بعد آخر وہ سلمان جاہ کے کمرے تک پہنچ گئے— سانگا اکڑوں بیٹھا تھا۔ قدموں کی آواز سن کر چونک اٹھا، لیکن انہیں دیکھ کر بھی بیٹھا ہی رہا۔

"آپ— آپ آگئے انسپکٹر صاحب، خدا کا شکر ہے۔" وہ گھبرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"پھر تو کوئی آواز سنائی نہیں دی ؟"

"جی نہیں۔" اس نے فوراً کہا—

"ہوں، ٹھیک ہے۔"

یہ کہہ کر انسپکٹر کامران مرزا آگے بڑھے— پہلے تو انہوں نے دستک دی اور پھر سلمان جاہ کو آوازیں دیں، لیکن اندر سے کوئی جواب نہ ملا— اب انہوں نے دروازہ دھڑ دھڑایا، لیکن کچھ فائدہ نہ ہوا— ہونا بھی کیسے، اس قسم کی کوششیں تو پہلے ہی کی جا چکی تھیں۔

"اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ دروازہ توڑ دیا جائے لیکن

یہ دروازہ آج کل کے مکانات کا دروازہ نہیں ہے۔ ایک پرانی حویلی
کا دروازہ ہے ــ آسانی سے نہیں ٹوٹے گا، لہٰذا پہلے تو اس کا انتظام
کرنا ہوگا۔"

انھوں نے دوسرے کمرے سے شہر فون کیا۔

"ہیلو شاہد! میں سلمان جاہ صاحب کی حویلی سے بول رہا ہوں۔
یہاں کچھ گڑبڑ ہے ــ ان کے کمرے کا دروازہ توڑنا ہے، لہٰذا انتظام
کر کے چلے آؤ، جس قدر جلد ممکن ہو۔"

"اوکے سر ــ میں آرہا ہوں۔" دوسری طرف سے کہا گیا ــ اور
انھوں نے ریسیور رکھ دیا۔

"اس طرح تو بہت دیر لگ جائے گی انکل۔" ریحان نے بے
چین ہو کر کہا۔

"بھئی اس کے سوا چارہ ہی کیا ہے ــ اگر کمرے میں داخل ہونے
کا کوئی اور طریقہ ہو تو تم بتا دو۔"

"جی، جی نہیں۔" وہ بولا۔

"بس تو پھر، صبر کرنے کے سوا چارہ بھی کیا ہے ــ اندر جو کچھ ہو
چکا ہے، وہ تو ہو ہی چکا ہے۔ اس کے بعد پھر وہ آواز سنائی نہیں
دی، کیوں ٹھیک ہے نا؟"

"جی ہاں، بالکل ٹھیک ہے۔" سعدیہ بولی۔

آخر آدھ گھنٹے بعد شاہد عملے کو ساتھ لے کر پہنچا۔ آلات کی مدد

سے دروازہ توڑ ڈالا گیا اور وہ اندر داخل ہوئے، لیکن پھر دھک سے
رہ گئے ــ آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

کمرے میں سلمان جاہ نہیں تھے۔

○

انھوں نے بوکھلا کر ادھر ادھر دیکھا۔

"ارے، ابا جان کہاں چلے گئے۔" ریحان چلا اٹھا۔

"اور وہ بھی بند کمرے سے ــ یہ کیسے ممکن ہے؟" سعدیہ نے
تھر تھر کانپتی آواز میں کہا۔

"بھئی ذرا حوصلے سے کام لو ــ بوکھلانے اور گھبرانے سے تو کچھ
بھی نہیں ہوگا۔" انسپکٹر کامران مرزا نے خود بھی پریشان ہو کر کہا۔

اب انھوں نے کمرے کا جائزہ لینا شروع کیا ــ بستر پر شکنیں
موجود تھیں، جس کا مطلب یہ تھا کہ سلمان جاہ بستر پر لیٹے ضرور تھے۔
بستر کے نیچے ان کے چپل موجود تھے ــ فرش پر سنہرے فریم کی ایک
عینک پڑی تھی ــ عینک کے قریب نیلے رنگ کا کوٹ کا ایک بٹن
موجود تھا۔ کمرے کے بیچوں بیچ خون کا ایک دھبا موجود تھا جو ایک
چونی جتنا بڑا تھا۔ آفتاب بے ساختہ اس پر جھک گیا اور انگلی سے
چھو کر دیکھا۔ خون اس کی انگلی پر بھی لگ گیا۔

"تازہ خون" وہ بڑبڑایا۔

"بستر کے نیچے پڑی چپل، فرش پر پڑی عینک، نیلا بٹن اور خون کا دھبا — یہ سب چیزیں اس بات کا پکار پکار کر اعلان کر رہی ہیں کہ کمرے میں کوئی واردات ضرور ہوئی ہے۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ کمرے کا دروازہ اندر سے بند ملا ہے، صرف تالے کی وجہ سے نہیں — چٹخنی بھی لگی ہوئی تھی۔ اگر صرف تالا لگا ہوا ہوتا تو ہم کہہ سکتے تھے کہ کمرے سے باہر نکل کر تالا لگا دیا گیا، لیکن چٹخنی اندر سے لگی ملی ہے، گویا سلمان جاہ کمرے سے باہر اس دروازے کے ذریعے نہیں گئے۔ کھڑکی میں سلاخیں موجود ہیں — ارے ہاں، ہم غسل خانے کو تو بھول ہی گئے۔"

یہ کہہ کر وہ آگے بڑھے اور غسل خانے کا دروازہ کھول دیا۔ غسل خانے کے ٹب میں پانی بھرا ہوا تھا، لیکن یہ پانی سرخ ہو رہا تھا۔

"اُف خدا، یہ تو ایسا معلوم ہوتا ہے، جیسے اس پانی میں خون ملا ہوا ہو۔ آخر اس کمرے میں کیا کیا گیا ہے اور کرنے والا اور سلمان جاہ کہاں گئے ہیں؟" انسپکٹر کامران مرزا حیرت زدہ انداز میں بولے۔

"اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے کہ اس کمرے میں کوئی تہہ خانہ موجود ہے۔ کیوں ریحان صاحب، آپ کو معلوم ہے اس کمرے کے نیچے کوئی تہہ خانہ موجود ہے؟" آصف نے جلدی جلدی کہا۔

"نہیں، بالکل نہیں — بابا جان نے کبھی کسی تہہ خانے کا ذکر نہیں کیا۔" ریحان بولا۔

"تب پھر وہ کمرے سے باہر کس طرح چلے گئے اور کہاں ہیں؟"

"بھلا ہم کیا بتا سکتے ہیں۔" سعدیہ بولی۔

"اگر اس کمرے میں کوئی تہہ خانہ نہیں ہے تو پھر یہ واقعہ میری زندگی کا حیران کن ترین واقعہ ہی کہلائے گا۔" انسپکٹر کامران مرزا بڑبڑائے اور بغور کمرے کا جائزہ لینے لگے۔

غسل خانے میں ایک روشندان موجود تھا۔ انہوں نے ایک چھوٹی میز منگا کر اس روشن دان کے نیچے رکھی اور اس پر چڑھ کر روشن دان میں سے جھانکا، تو دوسری طرف سڑک نظر آئی۔

"اس روشندان میں سے کوئی پتلا دبلا آدمی نکل کر دوسری طرف اتر سکتا ہے، لیکن اس صورت میں جب دوسری طرف سیڑھی موجود ہو، کیونکہ اونچائی کافی ہے اور سیڑھی کے بغیر دوسری طرف چھلانگ لگانے والا ضرور اپنے ہاتھ پیر تڑوا سکتا ہے۔ سلمان جاہ طاقت ور اور حوصلے والے ضرور ہیں، لیکن اتنے موٹے تازے نہیں کہ اس روشن دان سے نہ نکل سکیں، تاہم دوسری طرف بغیر کسی سیڑھی کی مدد کے نہیں اترا جا سکتا — اب اگر انہیں اغوا کیا گیا ہے تو پھر اتنا لمبا چکر چلانے کی کیا ضرورت تھی — کمرے کا دروازہ کھول کر نہایت آسانی سے انہیں لے جایا جا سکتا تھا — اور اگر اغوا نہیں کیا گیا تو

خود کیں لگے ہیں، تو انھیں بھی اس قسم کا چکر چلانے کی کیا ضرورت تھی۔ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔"

"دوسرے یہ کہ اس ٹب میں خون آلود پانی کیوں بھرا ہوا ہے۔ فرش پر تو خون کا صرف ایک دھبا موجود ہے، گویا کوئی شخص معمولی سا زخمی ہوا ہے، تب پھر اتنا خون کہاں سے آ گیا جس سے ٹب کا پانی رنگین ہو گیا۔" آصف نے پریشان آواز میں کہا۔

"ارے ہاں"، ہم اس عینک اور بٹن کو تو بھول ہی گئے۔ ریحان، کیا تم ان دونوں چیزوں کو پہچانتے ہو؟"

"جج، جی ہاں" اس نے ڈرے ڈرے انداز میں کہا۔

"تو یہ عینک سلمان صاحب کی ہی ہے"

"جی نہیں، یہ دونوں چیزیں ان کی نہیں ہیں" ریحان نے کہا۔

"کیا مطلب، ابھی تو تم نے کہا ہے کہ ان دونوں چیزوں کو پہچانتے ہو"

"جی ہاں، بالکل یہی بات ہے۔ ہم ان دونوں چیزوں کو پہچانتے ہیں، لیکن یہ ابا جان کی نہیں ہیں؛ البتہ یہ ان کے دوست شیر جہاں کی ہیں" ریحان نے بتایا۔

"شیر جہاں" انسپکٹر کامران مرزا بڑبڑائے، پھر حیران ہو کر بولے، "کہیں تم اس شیر جہاں کی بات تو نہیں کر رہے، جس کے سر پر

ایک بال بھی نہیں"

"جی، جی ہاں — بالکل — وہ سر سے بالکل گنجے ہیں۔ کیا آپ انہیں جانتے ہیں"

"بہت اچھی طرح — میں حیران ہوں، سلمان جاہ نے اسے دوست کس طرح بنا لیا — وہ تو بہت غلط آدمی ہے"

"جی کیا فرمایا، غلط آدمی"

"ہاں بالکل، وہ ایک غلط آدمی ہے — خیر میں دیکھتا ہوں، اس کے تعلقات میرے دوست سے کس قسم کے تھے — تو تم اچھی طرح پہچانتے ہو، یہ بٹن اور عینک اسی کی ہے؟"

"جی ہاں، اس میں کوئی شک ہی نہیں ہے"

"لیکن انکل، ابا جان کہاں ہیں؟" سعدیہ بے قرار ہو کر بولی۔

"یہی جاننے کی تو ہم کوشش کر رہے ہیں — تم لوگ گھبراؤ نہیں" یہ کہہ کر وہ شاہد کی طرف مڑے:

"شاہد، میں چاہتا ہوں، شیر جہاں کی کوٹھی کی نگرانی فوراً شروع کر دی جائے"

"اوکے سر — میں ابھی انتظام کیے دیتا ہوں" شاہد نے کہا اور فون کی طرف چلا گیا۔

"آپ نے کیا خیال قائم کیا ہے ابا جان" آفتاب نے پوچھا۔

"بھئی، میں اسی سوچ میں ہوں کہ کیا خیال قائم کروں؛ انھوں

نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

"جی، کیا مطلب؟"

"ایسا معلوم ہوتا ہے، جیسے کوئی شخص غسل خانے کے روشن دان کے ذریعے اندر داخل ہوا تھا — اس نے ایسا کیوں کیا، ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا — صرف اتنا خیال کیا جا سکتا ہے کہ وہ سلمان جاہ کو اغوا کرنا چاہتا تھا! بہرحال وہ اندر داخل ہوا تو سلمان جاہ کی آنکھ کھل گئی — وہ چونکہ بہت باحوصلہ اور طاقت ور آدمی ہیں — اس لیے اس پر جھپٹ پڑے، لیکن اس کے مقابلے میں کامیاب نہیں ہو سکے اور وہ انہیں بے ہوش کرنے میں کامیاب ہو گیا — سلمان جاہ کسی قدر زخمی بھی ہو گئے — یا پھر حملہ آور زخمی ہوا — اس نے اپنا خون پانی کے ٹب میں دھو ڈالا — جھپٹ کے دوران اس کی عینک اور بٹن گر گیا، لیکن وہ سلمان جاہ کو لے جانے میں کامیاب ہو گیا۔"

"پھر وہی سوال — آخر اسے روشن دان کے ذریعے لے جانے کی کیا ضرورت تھی — وہ صدر دروازے کی طرف سے بھی تو لے جا سکتا تھا۔" فرحت نے الجھن کے عالم میں کہا۔

"ہاں، یہ بات ابھی تک میری سمجھ میں نہیں آئی۔"

"دوسرے یہ کہ آپ کے اندازے کے مطابق تو واضح طور پر شیر جان مجرم ہے۔"

"ان چیزوں کی موجودگی میں ہم فی الحال کسی اور پر شک کر بھی

تو نہیں سکتے اور میں سوچ رہا ہوں، اسے اسی وقت کیوں نہ چیک کر لیا جائے!"

"میں بھی یہی کہنا چاہ رہی تھی انکل۔" فرحت فوراً بولی۔

"تو کہہ کیوں نہ دیا۔" آفتاب جل کر بولا — ساتھ ہی انہوں نے شاہد کو واپس آتے دیکھا۔

عین اسی وقت وہ لرز اٹھے — ان کے کانوں سے ایک دل دوز آواز ٹکرائی تھی —

آواز کا چکر

"اُف خدا، یہ کیسی آواز تھی؟" آصف کانپ کر بولا۔

"بالکل وہی آواز۔۔۔ ہم نے کمرے سے یہی آواز آتے سنی تھی، اور اسی آواز کو سن کر ہم جاگے تھے۔"

"لیکن اس وقت تو یہ آواز کمرے کی دیواروں سے نکلتی محسوس ہوئی ہے۔" فرحت نے حیران ہو کر کہا۔

"د۔۔۔ دیواروں سے۔" سعدیہ چلائی۔

"ساجد، کیا تم نے پہلی آواز سنی تھی؟"

"جی نہیں، میں بہت گہری نیند سونے کا عادی ہوں۔" اس نے کہا۔

"آواز بالکل ایسی تھی، جیسے کسی کا گلا گھونٹا جا رہا ہو۔ یا اللہ رحم۔" آفتاب نے لرز کر کہا۔

"کک۔۔۔ کک، کہیں یہ حویلی آسیب زدہ تو نہیں ہو گئی۔" ریحان بولا۔

"آسیب زدہ۔۔۔ اوہ۔" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"حویلی کافی عرصہ بند پڑی رہی ہے۔۔۔ کیا خبر اس دوران کسی جن بھوت نے اس میں اپنا ڈیرا جما لیا ہو۔" آفتاب نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

"انکل آپ بالکل خاموش ہیں۔" فرحت بولی۔

"میں تم لوگوں کے اندازے سن رہا ہوں۔۔۔ بعض اوقات اس قسم کی باتوں سے کوئی شاندار نتیجہ نکل آیا کرتا ہے۔"

"لیکن اس وقت تو ہم اس آواز کے چکر میں ہیں۔۔۔ آخر یہ آواز کیسی تھی، کہاں سے آئی تھی؟"

"اس کے لیے ہمیں کوشش کرنا پڑے گی۔۔۔ شاہد، میں نے فی الحال شیر جہاں سے ملنے کا پروگرام کینسل کر دیا ہے، کیونکہ شیر جہاں اگر اس وقت اپنے گھر میں ہے تو بھی یہاں آواز سنائی دے رہی ہے۔۔۔ ان حالات میں پہلے ہمیں کچھ کام کرنا ہوگا۔"

"فرمائیے، کیا کرنا ہے۔"

"اس کمرے کی دیواروں اور فرش کو ٹھوک بجا کر دیکھو، چھت کا بھی جائزہ لو۔" یہ کہہ کر وہ ریحان اور سعدیہ کی طرف مڑے۔

"اس کمرے کے اوپر کیا ہے؟"

"ایک اور کمرہ، جسے ہم بطور کباڑ خانہ استعمال کرتے ہیں۔ یعنی بے کار چیزیں اس میں ڈھیر کر رکھی ہیں۔"

"آؤ، پہلے مجھے اوپر والا کمرہ دکھاؤ — شاہد! تم اپنے ماتحتوں کے ساتھ دیواروں کا جائزہ لو۔"

"اوکے سر!"

وہ ریحان اور سعدیہ کے ساتھ دوسری منزل پر پہنچے۔ کمرے کے دروازے پر تالا نہیں تھا — انہوں نے کنڈی گرائی اور اندر داخل ہو گئے۔ ریحان نے بلب روشن کر دیا — یہاں فرش پر گرد جمی تھی اور بے شمار ٹوٹی پھوٹی اور پرانی چیزیں ایک بے ترتیب ڈھیر کی صورت میں پڑی تھیں —

انہوں نے غور سے دیکھنا شروع کیا، لیکن ایسے آثار نظر نہ آئے کہ کوئی اس کمرے میں آیا گیا ہو۔

"نہیں بھئی، اس واردات کا تعلق کم از کم اس کمرے سے نہیں ہے۔ آؤ چلیں۔"

وہ مایوس ہو کر پھر نیچے آ گئے — واردات والے کمرے میں شاہد اور اس کے ساتھی مصروف تھے۔ لیکن ان کے چہروں پر بھی کامیابی کی کوئی چمک نہیں تھی —

"معلوم ہوتا ہے، کوئی سراغ ہاتھ نہیں لگا۔"

"جی نہیں — شاید یہ صرف اور صرف اغوا کا کیس ہے۔" شاہد بولا۔

"اگر یہ صرف اغوا کا کیس ہے تو پھر اغوا کرنے والا یا والے

سلمان صاحب کو کمرے کے دروازے کی طرف سے کیوں نہ لے گئے، روشندان سے لے جانے میں تو انہیں حد درجے تکلیف اٹھانا پڑی ہو گی اور پھر سیڑھی بھی ساتھ لانا پڑی ہو گی۔ سیڑھی — اوہ ہاں! باہر کی طرف روشن دان کے نیچے سیڑھی ٹکانے اور کھڑی کرنے کے نشانات بھی ہونے چاہئیں — آفتاب، آصف، ذرا یہ کام تم کر آؤ۔"

"آ...... آپ کا مطلب ہے، بس ہم دونوں —" آفتاب نے گھبرا کر کہا۔

"تو کیا پوری فوج ساتھ لے جاؤ گے — اگر ڈر لگ رہا ہے تو آؤ، میں ساتھ چلتی ہوں۔" فرحت مسکرائی۔

"تمہیں لے کر جانے کی صورت میں تو اور بھی ڈر لگے گا۔" آفتاب نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

"ارے، وہ کیسے؟" شاہد ہنسا۔

"اگر یہ حویلی آسیب زدہ ہو چکی ہے تو پھر فرحت اور سعدیہ بہن زیادہ خطرے میں ہیں، کیونکہ آسیب لڑکیوں اور عورتوں پر پہلے ہاتھ صاف کرتے ہیں۔"

"بھئی، بے کار باتیں نہ کرو، اگر یہ حویلی آسیب زدہ ہے اور یہ چکر آسیب نے چلایا ہے تو پھر یہاں شیرجان کی بیٹھک اور [illegible] کیوں موجود ہے۔" انسپکٹر کامران مرزا نے منہ بنایا۔

"ہوں، آپ بھی ٹھیک کہتے ہیں — تب تو ہمیں ڈرنے کی کوئی

ضرورت نہیں۔ آؤ آصف چلیں۔"

"یہ باہر جا کر وقت ہی ضائع کریں گے انکل، اس لیے میں بھی ساتھ جاتی ہوں۔" فرحت بولی۔

"گویا تمہارا بھی وقت ضائع کرنے کو جی چاہ رہا ہے۔" آفتاب بولا۔

"بس کر چلے تم چیلنگ — شاہد تم جاؤ۔"

"ارے ارے، ہم یہ گئے ابا جان —"

آفتاب نے کہا اور بیرونی دروازے کی طرف دوڑ لگا دی — ان حالات میں بھی ریحان اور سعدیہ مسکرائے بغیر نہ رہ سکے، لیکن پھر جوں ہی انہیں اپنے ابا جان کا خیال آیا، مسکراہٹ کا گلا گھٹ گیا —

"ہاں تو شاہد، دیواروں اور فرش کو ٹھونک بجا کر دیکھ لینے کے بعد کسی تہ خانے کے آثار نظر نہیں آئے؟"

"جی نہیں۔" اس نے کہا۔

"ہوں!" انسپکٹر کامران مرزا سوچ میں ڈوبتے ہوئے بولے اور کمرے کو بغور دیکھنے لگے — آتش دان کے اوپر انہیں پتھر کا ایک بت سا رکھا نظر آیا — بت کا منہ کھلا تھا اور اس کے دانت نظر آ رہے تھے۔ یہ بت انہیں کاریگری کا عمدہ نمونہ نظر آیا — چنانچہ بولے:

"کیا یہ بت سلمان صاحب خرید کر لائے تھے؟"

"جی — — — بت —" ریحان ہکلایا —

"ہاں بھئی، یہ رہا آتش دان پر بت — کیا تمہاری اس پر پہلے نظر نہیں پڑی؟" وہ حیران ہو کر بولے۔

"اوہ یہ — آپ اس بت کی بات کر رہے ہیں۔" اس نے کہا —

"ہاں، مگر تو اسی بت کی کہہ رہا ہوں۔"

"یہ تو ہمیشہ سے ہی یہاں ہے۔"

"ہوں، یہ حویلی کب بنائی گئی؟"

"میرے پردادا کے زمانے میں۔ انہوں نے خود بنوائی تھی۔"

"اس کے بارے میں کچھ اور معلومات —؟"

"جی نہیں، ہمیں بس اتنا ہی معلوم ہے کہ یہ ہمارے پردادا نے بنوائی تھی۔ ان کی وفات کے بعد دادا جان کے قبضے میں آ گئی اور ان کے بعد ابا جان کو مل گئی — ہم پہلے بھی یہاں رہتے رہے ہیں اور پھر امی جان کو یہاں وحشت ہونے لگی تو ابا جان نے ان کے لیے شہر میں ایک کوٹھی تعمیر کروا دی۔ ہم وہاں رہنے لگے پھر امی جان وفات پا گئیں اور ان کی وفات کے ایک مدت بعد ہم اب پھر اسی حویلی میں آ گئے، لیکن ابھی آئے چھ دن ہی ہوئے ہیں کہ آج یہ حادثہ پیش آ گیا۔"

انسپکٹر کامران مرزا بت کی طرف بڑھے۔ آتش دان پر دونوں ہاتھ ٹکا کر اسے غور سے دیکھنے لگے، پھر اسے ہاتھ سے چھو کر دیکھا۔ یہ ایک شان

بت تھا۔ وہ اس کے سر اور گردن پر ہاتھ پھیر رہے تھے کہ اچانک
انہیں ایک زور دار جھٹکا لگا — وہ پیچھے کی طرف الٹ گئے اور کمر
کے بل گرے —

○

تینوں باہر نکل کر روشن دان والی سمت میں آگئے، لیکن پھر
آصف چلتے چلتے رک گیا —
"یہاں تو تاریکی ہے، ہم نشانات کس طرح دیکھ سکیں گے —
بلکہ کہیں اپنے پیروں سے ان نشانات کو مٹا نہ دیں"
"ہوں، لیکن جب تک میری جیبیں سلامت ہیں، تمہیں دبلا
ہونے کی ضرورت نہیں — یوں بھی تم قاضی نہیں ہو"
"سیدھی سادی بات کو یوں گھما پھرا کر کہنا تو بس تم پر ختم
ہے" فرحت نے جل کر کہا —
"چلو خیر، شکر ہے، کچھ تو مجھ پر بھی ختم ہے، ورنہ میں تو سمجھا
تھا، بس سب کچھ تم ہی پر ختم ہے — لو میں جیب سے پنسل ٹارچ
نکال دیتا ہوں" یہ کہہ کر اس نے جیب میں ہاتھ ڈال دیا اور پھر
فوراً ہی نکالا، لیکن یہ دیکھ کر آصف اور فرحت کے منہ بن گئے
کہ اس کے ہاتھ میں ایک ادرک تھا —

"توبہ ہے، اب پنسل ٹارچ جیب سے نکلنے میں شاید ایک گھنٹہ
لگ جائے گا۔ آخر جیبوں میں اتنی چیزیں ٹھونسنے کی ضرورت کیا
ہے" فرحت جل بھن کر بولی۔
"اگر اتنی چیزیں نہ ٹھونسوں تو ایسے موقعوں پر نکال کر کیسے دے
سکتا ہوں — عجیب احمق ہو تم بھی" اس نے منہ بنا کر کہا۔
"اچھا اچھا، اب باتیں نہ بگھارو اور ٹارچ نکالو"
"کیوں نہیں، فکر نہ کرو — اس مرتبہ جیب سے ضرور ٹارچ نکلے
گی — تم دیکھ لینا" اس نے جلدی جلدی کہا اور ساتھ میں جیب کے
اندر ٹارچ کی تلاش بھی جاری رکھی — اچانک اس نے کہا:
"یہ لو، مل گئی — یوں ہی پریشان ہو رہے تھے۔ ساتھ ہی اس کا
ہاتھ باہر نکلا — دیکھا تو ہاتھ میں لائٹر تھا۔
"ارے ارے" اس نے بوکھلا کر کہا۔
"ہاں، ساری چیزیں ہی نکال دو — ہم خود ہی ان میں سے ٹارچ
اٹھا لیں گے" آصف نے تنگ آ کر کہا۔
"حد ہو گئی — پہلے کیوں نہ بتائی یہ ترکیب" اس نے جل کر کہا اور
جیب کی تمام چیزیں نکالیں — انھوں نے ان میں سے ٹارچ تلاش
کی اور پھر اس کی روشنی روشن دان کے عین نیچے زمین پر ڈالی، لیکن
وہاں پیروں کے نشانات کے کوئی آثار نظر نہ آئے۔ اب انھوں نے روشن دان
کی چوکھٹ کے قریب ٹارچ کی روشنی ڈالی۔ وہاں بھی نشان نہیں ملے۔

"سیڑھی تو یہاں نہیں لگائی گئی۔"

"تب پھر ہو سکتا ہے، اوپر سے چھلانگ لگا دی گئی ہو ـــ اب یہ اتنی اونچائی بھی نہیں ہے ـــ" فرحت بولی۔

"ہاں ٹھیک ہے۔" آصف نے فوراً کہا۔

"کیا خاک ٹھیک ہے ـــ ارے میاں، پہلے تو اس روشندان کے ذریعے اندر داخل ہونے کا مسئلہ ہے۔ سیڑھی کے بغیر وہ روشندان تک پہنچا کس طرح ہوگا؟"

"شاید وہ دو یا دو سے بھی زیادہ رہے ہوں گے اور ایک دوسرے کے اوپر چڑھ کر روشندان تک پہنچ گئے ہوں گے۔ تم کیوں بھولتے ہو کہ ایسی ترکیبیں دوسرے بھی سوچ اور استعمال کر سکتے ہیں، صرف ہم ہی نہیں ـــ" فرحت نے جل کر کہا۔

"چلو خیر مان لیتے ہیں کہ وہ دو سے زیادہ تھے۔ ان میں سے ایک روشن دان کے ذریعے اندر کود گیا۔ اس کی سلمان جاہ صاحب سے جھڑپ ہوئی اور اس نے انہیں بے ہوش کر دیا ـــ اب آگے چلو ـــ" یہ کہہ کر آفتاب خاموش ہو گیا۔

"آگے چلیں، کہاں چلیں ـــ" فرحت نے اسے گھورا۔

"آخر اس نے روشندان سے بے ہوش سلمان جاہ کو کس طرح دوسری طرف نکال دیا ـــ کیا یہ ایک آدمی کے بس کی بات ہے، جب کہ اس طرف بھی ایک سٹول پر چڑھ کر روشن دان تک پہنچا جا سکتا ہے۔"

آفتاب نے جواب دیا۔

"اوہ، یہ معاملہ تو کسی طرح سلجھ ہی نہیں رہا" آصف نے کہا۔

"اللہ اپنا رحم فرمائے ـــ ہمیں جو معاملہ بھی ملتا ہے، وہ سلجھنے میں آسانی سے تو آتا ہی نہیں" فرحت پریشان آواز میں بولی۔

"اور مشکل یہ ہے کہ اغوا کرنے والے صدر دروازے سے ہرگز نہیں گئے ـــ"

"ہاں، اس کیس میں یہی تو سب سے زیادہ عجیب بات ہے کہ انہیں ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"ان سے پوچھ لیں گے، آؤ چلو ـــ" آفتاب تنگ آ کر بولا۔

تینوں واپس مڑے اور صدر دروازے کی طرف چلے، لیکن ابھی دروازے تک نہیں پہنچے تھے کہ ٹھٹک کر رک گئے ـــ حویلی کے اس سمت میں گھنا جنگل موجود تھا ـــ انہیں اس گھنے جنگل میں دو انگارے سے سلگتے نظر آئے تھے۔

"اُف خدا، یہ کیا ہے؟" فرحت کانپ اٹھی۔

"شاید جنگل میں کسی نے آگ جلائی ہے ـــ" آفتاب بولا۔

"دماغ تو نہیں چل گیا ـــ بھلا یہاں کوئی کیوں آگ جلائے گا، اور جلا بھی لے گا تو یہ انگارے سرخی کا بھلا کیا بگاڑ سکیں گے" آصف نے جواب دیا۔

"ہوں، تب پھر یہ کسی بلی یا کسی اور جنگلی جانور کی آنکھیں ہوں گی
اندھیرے میں ان کی آنکھیں انگاروں کی طرح ہی چمکتی ہیں۔"

"یہ تو خیر ٹھیک ہے، لیکن یہ دونوں آنکھیں ہمیں کیوں گھور
رہی ہیں" آصف بڑبڑایا۔

"بھئی ہمارے علاوہ گھورنے کے لیے یہاں رکھا ہی کیا ہے"
آفتاب نے منہ بنایا۔

"یوں بات نہیں بنے گی — ہمیں جنگل میں داخل ہو کر دیکھنا
ہی ہوگا کہ یہ کیا بلا ہے" آصف نے کہا۔

"ٹھیک ہے" فرحت نے فوراً کہا۔

"اس وقت جنگل میں اور سردی کے اس عالم میں — تم دونوں
کا ضرور دماغ چل گیا ہے — اگر تفتیش کا اتنا ہی شوق ہے تو صبح
دھوپ نکلنے پر چلیں گے" آفتاب نے مشورہ دیا۔

"اپنے اس قیمتی مشورے کو اپنے پاس ہی رکھو۔ اگر ڈر لگ رہا
ہے تو تم حویلی میں چلو — ہم ان دو انگاروں کا راز جان کر آئیں
گے"

"یہ بات ہے تو پھر آؤ — میں تم سے پیچھے نہیں رہوں گا"
تینوں جنگل کی طرف قدم اٹھانے لگے، لیکن پھر حیرت زدہ رہ
گئے۔ ان کے ساتھ ساتھ دونوں انگارے بھی پیچھے ہٹ رہے تھے

"بھئی یہ کیا، یہ انگارے تو ہم سے ڈر گئے" آفتاب ہنسا۔

"پتا نہیں، ڈر گئے ہیں یا کوئی چال چلنے کے چکر میں ہیں" فرحت
[...]ل۔

"اب انگارے بھی چال چلیں گے، کمال ہے" آفتاب نے طنزیہ
[...]جے میں کہا۔

"ٹھہرو، آگے بڑھنے کی بجائے ذرا پیچھے ہٹ کر دیکھتے ہیں" آصف
[...]نے جلدی سے کہا۔

تینوں الٹے قدموں حویلی کی طرف چلنے لگے اور یہ دیکھ کر ان کی
[...]رت کی کوئی انتہا نہ رہی کہ انگارے بھی آگے بڑھ رہے تھے۔

"یہ انگارے تو مجھے جادو کے انگارے معلوم پڑتے ہیں" آفتاب
[...]ڑبڑایا۔

"یا پھر ہو سکتا ہے، آسیب کی آنکھیں ہوں"

"آسیب، تو کیا وہ حویلی سے باہر آ گیا ہے" فرحت نے بوکھلا
[...]کر کہا۔

"بھئی اس پر کسی نے پابندی تو عائد کر نہیں رکھی" آصف بولا۔

"میں کہتا ہوں واپس چلو — ہم کسی خوفناک چکر میں الجھ گئے
[...]یں" آفتاب گھبرا اٹھا۔

"ذرا صبر کرو — اب ہم دائیں طرف چلتے ہیں — ذرا دیکھیں تو
[...]سہی یہ آنکھیں یا انگارے کیا کرتے ہیں" آصف بولا۔

اب تینوں جنگل میں دائیں طرف بڑھنے لگے۔ انگارے اب بھی

ساتھ ساتھ تھے — ایک طرف چل کر دیکھا تو بھی ان کا تعاقب جاری رہا —

"بس ثابت ہو گیا۔ یہ ہمارا پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔"

"تب تو پھر ہمیں حویلی میں داخل ہو جانا چاہیے، تاکہ یہ بھی ہمارے تعاقب میں حویلی میں داخل ہو جائیں — اندر پہنچ کر ہم ان سے سمجھ ہی لیں گے۔" فرحت نے تجویز پیش کی۔

"ٹھیک ہے۔"

وہ حویلی کی طرف بڑھنے لگے — ساتھ ساتھ مڑ مڑ کر ان انگاروں کی طرف بھی دیکھ رہے تھے۔ وہ بھی تعاقب میں آ رہے تھے۔

"بہت سمجھ دار انگارے ہیں۔" آفتاب نے منہ بنا کر کہا۔

"میں دعوے سے کہہ سکتی ہوں کہ وہ ضرور کوئی درندہ ہے۔ اس کی دونوں آنکھیں انگاروں کی طرح چمک رہی ہیں۔" فرحت نے اعلان کرنے والے انداز میں کہا۔

"کرتی رہو دعویٰ، ہمیں بھلا کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔" آفتاب نے کہا اور فرحت اسے گھورنے لگی۔

آخر وہ جنگل سے نکل آئے — اب جو انھوں نے مڑ کر دیکھا تو آنکھیں ایک جگہ جمی نظر آئیں —

"لو بھئی، انھوں نے ہماری طرف بڑھنا بند کر دیا۔" آصف نے جھلا کر کہا —

"گویا ان کا حلقہ اثر جنگل میں ہی ہے — صرف جنگل کی حد تک یہ ہمارا تعاقب کریں گی — یا جب ہم ان کی طرف بڑھیں گے تو پیچھے ہٹیں گی — آخر یہ کیا ہے۔" آفتاب جلدی جلدی بولا —

"ہم تمہاری ٹارچ کو تو بھول ہی گئے — کیوں نہ اس کی مدد سے دیکھا جائے، یہ کیا بلا ہے۔" فرحت چونک کر بولی —

"اوہ ہاں، ٹھیک تو ہے۔" آفتاب نے کہا اور ٹارچ روشن کر کے اس کی روشنی آنکھوں کی طرف پھینکی —

دوسرے ہی لمحے وہ سکتے میں آ گئے، کیونکہ جنگل میں ایک ریچھ موجود تھا۔

"ارے، یہ تو ریچھ ہے۔" فرحت کے منہ سے بے ساختہ انداز میں نکلا —

"ہاں بے شک یہ ریچھ معلوم ہوتا ہے، لیکن ہم نے اتنا عقل مند ریچھ پہلے شاید ہی کبھی دیکھا ہو گا۔" آصف نے منہ بنایا۔

"کیا مطلب؟" آفتاب نے حیران ہو کر کہا۔

"مطلب یہ کہ جب ہم جنگل کی طرف جاتے ہیں تو یہ پیچھے ہٹتا ہے — جنگل سے نکلنے لگتے ہیں تو یہ تعاقب کرتا ہے، لیکن جنگل

سے باہر نہیں نکلتا — دائیں طرف جاتے ہیں تو ساتھ چلتا ہے، بائیں طرف بھی ساتھ ساتھ چلتا ہے — یہ ریچھ ہے یا ریچھ نما انسان؟" آصف کہتا چلا گیا۔

"اوہ، کیا مطلب؟" آفتاب بولا۔

"ٹھہرو، پہلے میں اس پر ایک فائر کر کے دیکھ لوں۔"

فرحت نے بلند آواز میں کہا — تیزی سے ہاتھ جیب میں ڈالا، اور پھر اسی انداز میں ہاتھ جیب سے نکالا، لیکن اتنے میں انہوں نے دیکھ لیا کہ دونوں آنکھیں بجھ گئی تھیں اور ریچھ یک دم نظروں کے سامنے سے غائب ہو گیا تھا۔

آفتاب نے جلدی سے ٹارچ کی روشنی ادھر ادھر گھمائی، لیکن ریچھ کہیں بھی نظر نہیں آیا۔

"کمال ہے، ریچھ نے میری بات کس طرح سمجھ لی۔" فرحت حیران ہو کر بولی۔

"کیا مطلب؟" دونوں کے منہ سے حیرت زدہ انداز میں نکلا۔

"میں نے یہی دیکھنے کے لیے بلند آواز میں فائر کرنے کا اعلان کیا تھا — اب اس بات میں کوئی شک نہیں رہا کہ وہ ریچھ کی کھال میں کوئی انسان تھا۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے نکلا۔

چند منٹ تک ٹارچ کے ذریعے ریچھ نما آدمی کو تلاش کرنے

کے بعد آخر وہ حویلی کی طرف بڑھے۔

"کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا، یہ آسیبی چکر ہے یا انسانی۔"

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ آسیب نے ریچھ کی کھال پہن لی ہو۔"

"بھلا کسی آسیب کو کیا ضرورت ایسا کرنے کی — اس کا دماغ تو نہیں چل گیا۔" آفتاب نے جھلا کر کہا۔

"آسیب کا دماغ — کیا کہہ رہے ہو۔" فرحت حیرت زدہ رہ گئی۔

"کیوں، کیا آسیب دماغ کے معاملے میں بالکل کورے ہوتے ہیں؟" آفتاب بولا۔

"پتا نہیں، مجھے تجربہ نہیں — کسی عامل سے پوچھ کر بتاؤں گی۔" فرحت نے جواب دیا۔

"عاملوں کی بھی خوب ہی کہی — وہ تو نرے ٹھگ ہوتے ہیں اور ہمارے بھائی ان کے جال میں پھنس جاتے ہیں — لمبی لمبی رقمیں ان کے حوالے کر دیتے ہیں اور آسیب پھر بھی وہیں کا وہیں رہتا ہے۔" آفتاب نے کہا۔

"خیر خیر، آسیب کا دماغ ہو یا نہ ہو — کم از کم میں اتنا ضرور جانتی ہوں کہ تمہارے پاس دماغ نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔" فرحت نے شریر لہجے میں کہا۔

"کیا کہا؟" آفتاب کاٹ کھانے والے انداز میں بولا۔ اس کی

آنکھیں غصیلے انداز میں فرحت کی طرف گھوم گئیں — لیکن پھر ان میں غصے کی بجائے حیرت چمک اٹھی — اس کے منہ سے خواب کے سے عالم میں نکلا:

"یہ — یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں"

ڈاکٹر انکل

"ارے، یہ کیا ہوا؟" سعدیہ گھبرا اٹھی۔

"آپ — آپ ٹھیک تو ہیں سر؟" شاہد تیزی سے ان کی طرف بڑھا اور پھر یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا کہ انسپکٹر کامران مرزا بے ہوش ہو چکے تھے۔

"اُف خدا، یہ بُت کیا چیز ہے؟" شاہد کے منہ سے نکلا۔

"یہ تو بالکل عام بُت ہے" ریحان بولا۔

"کیا آپ لوگ اسے چھوتے رہے ہیں؟" شاہد حیرت زدہ رہ گیا۔

"ہاں بالکل — ہم سے زیادہ تو اس بات کی گواہی سانگا دے سکتا ہے، کیونکہ سانگا آتش دان سے گرد جھاڑتے ہوئے آخر اس بُت کو بھی صاف کرتا ہوگا۔ ارے، یہ سانگا کہاں چلا گیا — شاید باورچی خانے میں ہوگا۔ خیر، مطلب یہ کہ اس بات کی گواہی تو وہ بھی دے گا"

شاہد انسپکٹر کامران مرزا کے پاس اکڑوں بیٹھ گیا — جب ان میں ہوش کے آثار نہ پائے تو انھیں اٹھا کر بستر پر لٹا دیا اور خود ڈاکٹر کو

فون کرنے کے لیے کمرے سے نکل گیا۔

فون کر کے لوٹا تو ایک ماتحت سے بولا:

"بھئی، ذرا باہر جا کر دیکھنا، یہ آفتاب وغیرہ کہاں رہ گئے؟"

"اوکے سر۔" اس نے کہا اور بیرونی دروازے کی طرف چلا گیا۔ جلد ہی اس کی واپسی ہوئی اور بولا:

"وہ تو باہر موجود نہیں ہیں سر۔"

"ارے، وہ کہاں چلے گئے۔" شاہد حیران ہو کر بولا۔

"جی، میں کیا کہہ سکتا ہوں۔"

"تم نے انہیں روشندان کے پاس دیکھ لیا تھا؟" شاہد جلدی سے بولا۔

"جی ہاں بالکل — میں تو پوری حویلی کا چکر لگا آیا ہوں۔"

"یا اللہ رحم، آخر یہ ہو کیا رہا ہے۔" وہ بڑبڑایا۔

"اب تو یہی کہا جا سکتا ہے کہ حویلی پر ضرور آسیب کا قبضہ ہو گیا ہے۔"

"اگر یہ قبضہ آسیب کا ہے تو پھر یہ بات اسی وقت معلوم ہو جانی چاہیے تھی، جب آپ لوگ شہر والی کوٹھی سے حویلی میں آئے تھے۔ آسیب کو تو آپ لوگوں کے آنے سے اسی وقت تکلیف شروع ہو جانی چاہیے تھی اور آپ کو یہاں سے بھگانے کے لیے انہیں اسی وقت کوشش شروع کر دینی چاہیے تھی۔"

"ہوں، آپ کی یہ بات بھی ٹھیک ہے۔" ریحان نے کہا۔

"سچ بات تو یہ ہے کہ میں اب تک کچھ بھی نہیں سمجھ سکا کہ یہ کیا چکر ہے، کوئی مجرمانہ چکر ہے، آسیبی چکر ہے یا انسانی؟"

"ادھر ادھر انسپکٹر کامران مرزا بے ہوش ہو گئے ہیں۔ آفتاب، آصف اور فرحت غائب ہیں — ان حالات میں خوف نہیں محسوس ہو گا تو کیا ہو گا۔" سعدیہ بولی۔

"ذرا میں بھی انہیں دیکھ آؤں — ہو سکتا ہے، وہ مجھے نظر آ جائیں۔"

"مجھے ساتھ لے جائیں سر — آپ کا تنہا جانا مناسب نہیں۔" وہی ماتحت بولا جو پہلے آفتاب وغیرہ کو دیکھنے گیا تھا۔

"خیر، تم بھی چلو۔ باقی لوگ چوکس رہیں۔" شاہد نے کہا۔

اس ماتحت کے علاوہ یہاں چھ ماتحت اور تھے۔ اتنے ماتحت اس لیے ساتھ لانا پڑے تھے کہ دروازہ جو توڑنا تھا۔ شاہد اسے ساتھ لے کر باہر نکل گیا — دو منٹ بعد ان کی واپسی ہوئی۔

"واقعی ان لوگوں کا تو کوئی پتا نہیں۔" اس نے کانپتی آواز میں کہا۔

"تب تو حالات بہت سنگین ہو گئے۔"

پندرہ منٹ بعد ہی باہر آفتاب وغیرہ کی باتوں کی آواز سنائی دی —

شاہد باہر سے آنے کے بعد زور سے چیخنی لگا چکا تھا — وہ تیزی

سے دروازے کی طرف بڑھے۔

○

"تم ہی نہیں — ہم بھی یہ کیا دیکھ رہے ہیں" آصف نے تھرتھراتی آواز میں کہا۔

"اوہ، اب میں سمجھا — سارا معاملہ میری سمجھ میں آگیا" آفتاب پرجوش انداز میں بولا۔

"کیا مطلب؟ تمہاری کیا سمجھ میں آگیا" فرحت حیرت زدہ لہجے میں بولی۔

"یہ کہ ہم ایک خواب دیکھ رہے ہیں — یہ واقعات خواب سے زیادہ کوئی معنی نہیں رکھتے"

"تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا — ہمیں ریحان کا فون ملا تھا، انکل کے ساتھ ہم یہاں تک آئے تھے، پھر دروازہ توڑنے کے لیے انکل شاہد کو بلانا پڑا — آخر دروازہ توڑا گیا — اندر سلمان جاہ نہیں تھے — ان کی چپل بستر کے نیچے ملی — جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے پیروں سے چل کر یا اپنی مرضی سے کہیں نہیں گئے — فرش پر ہمیں ایک عینک اور کوٹ کا ایک بٹن ملا — خون کا ایک دھبا بھی پایا گیا جو واقعی خون تھا، پھر غسل خانے میں پانی کے ٹب میں خون آلود پانی پایا گیا — اس

کے بعد ہم حویلی سے باہر گئے تھے، تاکہ سیڑھی سے پڑنے والے نشانات کا جائزہ لے سکیں — سیڑھی کا نشان تو خیر وہیں نہیں ملا — ہاں، درختوں کے درمیان دو سرخ آنکھیں ضرور نظر آئیں — یہ آنکھیں یا تو کسی ریچھ کی تھیں، یا پھر کسی انسان نے ریچھ کی کھال پہن رکھی تھی، لیکن انسانی آنکھیں اس طرح نہیں چمکتیں، بہرحال وہ جو کچھ بھی تھا، اس کا فیصلہ تو بعد میں ہی ہوگا — کہنا میں یہ چاہتا ہوں کہ یہ سب ایک خواب کیسے ہو سکتا ہے اور ہم سب ایک ہی خواب کس طرح دیکھ سکتے ہیں"

"ہم سب نہیں، ہم میں سے کوئی ایک یہ خواب دیکھ رہا ہے۔ رہا اس بات کا جواب کہ یہ خواب کس طرح ہو سکتا ہے، اس سلسلے میں تو میں یہی کہہ سکتا ہوں کہ خواب کیوں نہیں ہو سکتا — خواب تو بہت لمبے لمبے بھی ہوتے ہیں" آفتاب نے جلے کٹے انداز میں کہا۔

"ارے، یہ جو ہم دیکھ رہے ہیں، کیا یہ بھی خواب ہے؟" آصف نے اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا، جس طرف کوئی چیز دیکھ کر ان کے منہ سے جملے نکلے تھے۔

"ہاں، کیوں نہیں — دنیا میں کیا کچھ نہیں ہو سکتا"

"اچھا!!! ہوگا خواب — ہم خواب دیکھنے پر بھی تو مجبور ہیں، خواب کے دھارے کو روک کس طرح سکتے ہیں — اس لیے صبر کرو اور دیکھو کہ اب یہ کیس کون سی کروٹ بدلتا ہے"

اتنے میں وہ شخص نزدیک آ گیا جو انہیں سامنے سے آتا دکھائی دیا تھا۔

"اوہو، یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں" نزدیک آتے ہی اس نے انہیں دیکھ کر کہا۔ لہجہ حیرت میں ڈوبا ہوا تھا۔

"یہ جملے تو ہم کہہ چکے ہیں انکل" آفتاب مسکرایا۔

"کون سے جملے — کیا مطلب؟" وہ چونک کر بولا۔

"یہ کہ یہ ہم کیا دیکھ رہے ہیں — بات دراصل یہ ہے انکل سلطان جاہ صاحب کہ ہم تو یہ خیال کر بیٹھے تھے کہ آپ کو اغوا کر لیا گیا ہے — اور......"

"کیا کہا، مجھے اغوا کر لیا گیا ہے — ارے باپ رے، تب پھر میں کہاں ہوں — اغوا کرنے والے مجھے کہاں لے گئے ہیں؟" انہوں نے بوکھلا کر کہا۔

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں انکل — خدا کے لیے ایسی باتیں نہ کیجیے ہم پہلے ہی بہت پریشان ہیں۔"

"کس سلسلے میں پریشان ہو؟"

"آپ کے سلسلے میں" آفتاب بولا۔

"ہم، میرے سلسلے میں، لیکن کیوں — میں تو اچھا بھلا ہوں مجھے کیا ہوا ہے؟"

"ہاں واقعی، یہ بھی ٹھیک ہے — آپ کو تو کچھ بھی نہیں ہو

آپ تو بالکل ٹھیک ٹھاک ہیں، شاید ہمارا ہی دماغ چل گیا ہے۔ مگر نہیں، ہمارا کیوں، ہمیں تو ریحان نے فون کیا تھا۔"

"ریحان نے، کہاں ہے ریحان؟"

"اندر، لیکن پہلے تو آپ یہ بتائیے، آپ خراماں چلے کہاں سے آ رہے ہیں؟"

"یہ تو مجھے بھی نہیں معلوم کہ کہاں سے چلا آ رہا ہوں" وہ بولے۔

"جی کیا مطلب؟" وہ ایک ساتھ بولے — مارے حیرت کے ان کا برا حال تھا۔

"میں نہیں جانتا، میں کہاں سے چلا آ رہا ہوں۔"

"سوال یہ ہے کہ آپ کیوں نہیں جانتے، جب کہ آپ چلے آ رہے ہیں۔" آفتاب نے آنکھیں جھپکائیں۔

"میں یہاں سے کافی فاصلے پر جنگل میں پڑا تھا، آنکھ کھلی تو اٹھ کر چل پڑا — پتا نہیں کس کس طرف سے ہو کر آخر یہاں تک پہنچ گیا، حالانکہ مجھے نہیں معلوم تھا کہ میں یہاں پہنچ سکوں گا یا نہیں یا کہاں پہنچوں گا — بس میں تو منہ اٹھائے چلتا رہا، اور میں کر بھی کیا سکتا تھا — میں تو یہ بھی نہیں جانتا کہ میں جنگل میں کس طرح پہنچا، کیونکہ میں تو اپنی حویلی میں اپنے بستر پر سویا تھا اور کمرے کا دروازہ اندر سے بند کر کے سویا تھا، پھر آخر میں کمرے سے باہر کس طرح

پہنچ گیا — وہ بھی صرف کمرے سے ہی نہیں، حویلی سے بھی باہر اور بہت دور جنگل میں، کیونکہ میں تقریباً دو گھنٹے تک چلتے رہنے کے بعد یہاں پہنچا ہوں — صاف ظاہر ہے، وہ جگہ نزدیک تو ہو گی نہیں۔"

وہ کہتے چلے گئے۔ ان کی حیرت میں اور اضافہ ہوتا چلا گیا۔

"پھر، یہاں کھڑے رہ کر ہم کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکیں گے۔ آئیے، اندر چل کر اطمینان سے بیٹھ کر بات کریں۔" آصف نے تجویز پیش کی۔

"ٹھیک ہے، میں اب یہاں کھڑے رہ کر بات کرنا چاہتا ہوں۔ میں تو پہلے ہی بہت تھکا ماندہ ہوں — ٹانگیں درد کر رہی ہیں — اتنا سفر پیدل میں نے کبھی نہیں طے کیا تھا — یہ تو تم لوگ ہو جو مجھے دروازے پر روکے کھڑے ہو اور ہاں، انسپکٹر کامران مرزا کہاں ہیں؟" انھوں نے رکے بغیر کہا۔

"جی، اندر ہی ہیں اور کہاں ہوتے؟"

"یہ اور بھی اچھا ہے کہ وہ اندر ہیں، وہ کم از کم یہ تو معلوم کر دیں گے کہ میں حویلی سے باہر کس طرح پہنچ گیا۔" انھوں نے خوش ہو کر کہا۔

"یہ معلوم کرنے کی کوشش تو پہلے ہم ہی شروع کر چکے ہیں۔"

"واہ، جاسوس ہوں تو ایسے۔"

وہ اندر کی طرف مڑنے ہی لگے تھے کہ ایک بار پھر ٹھٹک کر رک گئے۔

"اب کیا ہوا؟" سلمان جاہ نے جھلا کر کہا۔

"کوئی اور بھی اس طرف آ رہا ہے — نہ جانے آج رات اس حویلی کی طرف اور کون کون آئے گا، لیکن اس مرتبہ آنے والا آپ کی طرح پیدل نہیں ہے۔"

"اوہو اچھا۔" سلمان جاہ نے بھی جلدی سے دوسری طرف مڑتے ہوئے کہا۔

انھوں نے دیکھا، ایک کار چلی آ رہی تھی۔

"یہ — یہ کون آ گیا؟" سلمان جاہ ہکلائے۔

"ج، جی — پتا نہیں۔" آفتاب ہکلایا۔

"میں نے تم سے کیا پوچھا ہے؟" وہ جھلا کر بولے۔

"لیکن انکل، ہمارے علاوہ آپ کے پاس اور کون کھڑا ہے۔"

"اچھا چپ رہو — پہلے دھچکے سے میرے دماغ کی چولیں بالکل ہی نہیں ہلی تھیں، لیکن تم سے دو منٹ بات کرنے کے بعد ہی مجھے یوں محسوس ہونے لگا ہے، جیسے اب میں کبھی کسی سے بات نہیں کر سکوں گا۔"

"یہ صرف آپ کا خیال ہے انکل، اللہ کی مہربانی سے آپ خوب بات کریں گے — بس ذرا اندر چلنے کی دیر ہے۔" آفتاب نے مسکرا

کر لیا۔

اتنے میں کار نزدیک آگئی اور اس میں سے ایک شخص سفید کوٹ پہنے نیچے اترا۔۔۔ اس کے ہاتھ میں ڈاکٹروں والا ایک بیگ تھا۔

"ارے، یہ تو ہمارے ڈاکٹر صاحب ہیں" آفتاب چونک کر بولا۔

"تت، تم لوگ کچھ بیمار ہو گیا؟" سلمان جاہ نے بوکھلا کر کہا۔

"جی نہیں، یہ تو یہی بتا سکیں گے کہ یہاں کیسے تشریف لائے ہیں؟" آفتاب نے ان کی طرف بڑھ کر کہا۔

"حیرت ہے، آپ کو معلوم ہی نہیں ہے کہ مجھے یہاں کیوں بلایا گیا ہے۔۔۔ کمال ہے۔۔۔ ارے بھئی، سب انسپکٹر شاہد کا فون مجھے ملا تھا۔ انسپکٹر کامران مرزا کسی حادثے کا شکار ہو گئے ہیں"

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں ڈاکٹر انکل۔۔۔ ابا جان تو بالکل خیریت سے ہیں۔۔۔ آپ کو ضرور کسی نے غلط فون کر دیا"

"غلط فون، اوہ، یہ تو بہت برا ہوا"

"خیر، اب تو آپ آ ہی گئے، آئیے اندر چلیں"

"میری نیند بلا وجہ خراب ہوئی۔۔۔ وہ کوئی بہت ہی برا آدمی تھا، جس نے یہ شرارت کی، لیکن کمال ہے، اسے یہ بات کس طرح معلوم ہو گئی تھی کہ آپ لوگ یہاں موجود ہیں"

"ہاں واقعی، یہ عجیب بات ہے، اوہ۔۔۔" آفتاب نے پہلے تو پرسکون آواز میں کہا، لیکن پھر اوہ کہتے وقت اچھل پڑا۔

"کیا ہوا، آپ کو کسی چیز نے کاٹ تو نہیں لیا؟"

"جی نہیں، آج کل تو سردیاں ہیں۔ سردیوں میں کاٹنے والی چیزیں نہیں ہوتیں" آفتاب جلدی سے بولا۔

"ہاں، یہ بھی ٹھیک ہے۔۔۔ تب پھر آپ کیوں چونکے تھے"

"مجھے ایک خیال آیا تھا اور وہ یہ کہ آپ کو کہیں اسی آسیب نے تو فون نہیں کیا"

"کس آسیب نے۔۔۔ ارے باپ رے۔۔۔ کیا کہا، آسیب؟" ڈاکٹر صاحب بوکھلا اٹھے۔

"آسیب، یہاں آسیب کہاں سے آ گیا" سلمان جاہ نے گھبرا کر کہا۔

"جی، یہ تو ہمیں بھی نہیں معلوم کہ آسیب کہاں سے آ گیا" آفتاب نے مسمسی صورت بنائی۔

"اچھا بھئی، میں تو واپس چلتا ہوں" ڈاکٹر صاحب جلدی سے مڑتے ہوئے بولے۔

"نہیں ڈاکٹر صاحب، ابھی آپ نہ جائیں۔۔۔ کیا خبر کسی آسیب وسیب کی مرہم پٹی ہی کرانا پڑ جائے" آفتاب نے جلدی سے کہا۔

"کیا کہا، اف اللہ، اب تو میں یہاں ایک منٹ نہیں رک سکتا" انہوں نے کہا اور کار کی طرف دوڑ لگا دی۔

"آفتاب، تم یہاں ہو، کمال ہے اور یہاں کھڑے کیا رہے ہو" اندر سے اسی وقت شاہد کی آواز سنائی دی۔

"جی ہاں، یہ ہم ہی ہیں ــــ بے چارے ڈاکٹر صاحب، کسی نے آپ کی طرف سے انہیں فون کر دیا تھا ــــ اب واپس جا رہے ہیں۔"

"ارے کیا کہا، واپس جا رہے ہیں ــــ روکو، انہیں روکو۔ میں نے ہی تو فون کیا تھا انہیں۔"

"کیا؟" تینوں ایک ساتھ چلائے اور ڈاکٹر صاحب کی کار کی طرف دوڑے ــــ ڈاکٹر صاحب اس وقت تک کار سٹارٹ کر چکے تھے۔ تینوں ان کی کار کے آگے کھڑے ہو گئے۔

"کیوں، اب کیا ہوا؟" انہوں نے جھنجھلا کر کہا۔

"آپ کو انکل شاہد نے ہی فون کیا تھا جناب، مہربانی فرما کر نیچے اتر آیئے۔" آصف جلدی جلدی بولا۔

"یہ کیا بات ہوئی، پہلے تم کیا کہہ رہے تھے؟" وہ حیران ہو کر بولے۔

"جی بس، کیا عرض کریں کہ کیا بات ہوئی۔ انکل شاہد نے ابھی ابھی یہ بات بتائی ہے ــــ دیکھیے، وہ بھی آ گئے۔" آفتاب نے مڑ کر شاہد کی طرف اشارہ کیا۔

"جی ہاں، تشریف لے آئیے ڈاکٹر صاحب ــــ انسپکٹر کامران مرزا صاحب واقعی ایک حادثے کا شکار ہو گئے ہیں۔"

"اوہ، یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں انکل؟"

"لیکن فکر کی کوئی بات نہیں۔ حادثہ اسی قسم کا ہے، جیسے کسی کو بجلی کا جھٹکا لگ جائے۔"

"تو پھر چلیے، جلدی کیجیے۔" آفتاب نے پریشان ہو کر کہا۔

اسی وقت شاہد کی نظر سلمان جاہ پر پڑی۔

"ارے، یہ کون صاحب ہیں؟"

"ہائیں انکل، آپ انہیں نہیں جانتے، ہم انہی کو تو تلاش کر رہے تھے۔ یہ ہیں انکل سلمان جاہ صاحب۔" آفتاب نے تعارف کرایا۔

"کیا؟" شاہد کے منہ سے چیخنے کے انداز میں نکلا۔

کوٹ کا بٹن

چند لمحے کے لیے شاہد سکتے کے عالم میں انھیں دیکھتا رہا ۔ وہ یہ بھی بھول گیا کہ اندر انسپکٹر کامران مرزا بے ہوش پڑے تھے ۔ آخر ان کے منہ سے نکلا :

"یہ میں نے کیا سنا ہے — کیا آپ واقعی سلمان جاہ ہیں ؟"

"جی ہاں ، بالکل — اس میں ایک فیصد بھی شک نہیں ۔"

"لیکن آپ کہاں تھے — آپ تو اپنے کمرے سے غائب پائے گئے ہیں — جب کہ کمرے کا دروازہ اندر سے بند تھا اور اندر آثار ایسے تھے کہ جیسے آپ کو اغوا کیا گیا ہو ۔"

"میرا ذہن بھی یہی کہتا ہے کہ مجھے اغوا کیا گیا تھا ، ورنہ میں جنگل میں کیوں پاتا اپنے آپ کو — لیکن نہیں ، یہ باتیں تو ہم بعد میں بھی کر لیں گے ۔ پہلے تو ہمیں اندر چلنا چاہیے ۔"

"اوہ ہاں" — شاہد چونکا ۔

پھر سب اندر داخل ہوئے ۔ جوں ہی انھوں نے کمرے میں قد

رکھا — ریحان اور سعدیہ ایک ساتھ چلا اٹھے :

"ابا جان —" اور ساتھ ہی وہ ان سے چمٹ گئے ۔ ادھر ڈاکٹر صاحب انسپکٹر کامران مرزا پر جھک گئے — آفتاب ، آصف اور فرحت بھی ان کے دائیں بائیں جمع ہو گئے — چند منٹ کے معائنے کے بعد ڈاکٹر صاحب سیدھے ہوتے ہوئے بولے :

"انھیں بجلی کا جھٹکا ہی لگا ہے ۔"

"اوہ ، کمال ہے" — شاہد بڑبڑایا ۔

"جی انکل ، اس میں کمال کی کیا بات ہے ؟"

"کمال کی بات یہ ہے کہ انھوں نے اس بت کو ہاتھ لگایا تھا ۔ بت پتھر کا ہے اور پتھر میں کرنٹ نہیں گزر سکتا ، پھر بھلا انھیں کرنٹ کس طرح لگ گیا ؟"

"تب یہ بت جادو کا ہو گا" — آفتاب نے کہا اور تیزی سے بت کی طرف بڑھا ۔

"خبردار آفتاب ، بت کو ہاتھ نہ لگانا ۔"

"میں اتنا احمق نہیں انکل" — وہ مسکرایا ۔

"شکر ہے ، تم نے اتنی بات تو تسلیم کی" — فرحت بھی شوخ لہجے میں بولی ۔

"محترمہ ، تمھارا دماغ تو ٹھیک ہے ؟"

"ہاں بالکل — تم نے خود ہی تو کہا ہے کہ میں اتنا احمق نہیں ۔"

گو کسی قدر احمق ضرور ہو۔"

آفتاب نے اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورا اور پھر جیب میں ہاتھ ڈال کر کچھ تلاش کرنے لگا — آخر ٹیسٹر نکال کر اس کا سرا بت کے بت پر رکھ دیا — لیکن ٹیسٹر کا بلب نہ جلا — اب اس نے بت کے منہ میں ٹیسٹر لگایا، لیکن بلب پھر بھی نہ جلا۔

"اس بت میں کوئی کرنٹ ورنٹ نہیں ہے" آفتاب نے کہا۔

"لیکن انسپکٹر صاحب اسے ہاتھ لگاتے ہی دور سے اچھل کر گرے تھے اور بے ہوش ہو گئے تھے اور اب ڈاکٹر صاحب کا کہنا ہے کہ انہیں کرنٹ لگا ہے۔"

"ہاں، اس میں کوئی شک نہیں" — ڈاکٹر صاحب نے انجکشن لگاتے ہوئے جواب دیا —

"خیر، یہ دیکھیے" آفتاب نے کہا اور بت کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔ فوراً ہی اس کے منہ سے ایک دل دوز چیخ نکلی اور وہ بھی اچھل کر دوسرے ہی لمحے وہ بے ہوش ہو چکا تھا — وہ سب کے سب سکتے میں رہ گئے — ڈاکٹر صاحب فوراً اس پر جھک گئے اور پھر کر بولے:

"انہیں بھی کرنٹ لگا ہے۔"

"حیرت ہے، جب بت کو ٹیسٹر لگایا جاتا ہے تو بلب نہیں جلتا، یعنی اس وقت کرنٹ نہیں ہوتا — ہاتھ لگاتے ہیں تو اس میں

آ جاتا ہے — آخر یہ بت کیا ہے؟" یہ کہہ کر آصف بت کی طرف بڑھا، اس نے آفتاب کے ہاتھ سے گرنے والا ٹیسٹر اٹھا لیا اور بت کے سر پر رکھ دیا، لیکن بلب نہ جلا۔

"خدا کے لیے آصف اب تم اس کے سر پر ہاتھ نہ رکھ دینا۔ ہم میں سے دو پہلے ہی بے ہوش ہو چکے ہیں۔"

"فکر نہ کرو" یہ کہہ کر آصف سلمان جاہ کی طرف مڑا:

"انکل، اس بت کے بارے میں بتائیے۔"

"بت کے بارے میں کیا بتاؤں — یہ شروع سے ہی اس آتش دان پر نصب ہے۔"

"اپنے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟"

"مجھے کچھ یاد نہیں — میں تو صرف اتنا جانتا ہوں کہ اپنے معمول کے مطابق سویا تھا — آنکھ جنگل میں کھلی۔ اس وقت میں یہی سمجھا کہ میں کوئی خواب دیکھ رہا ہوں، اس پھر حویلی کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا اور آخر یہاں تک پہنچ گیا۔"

"ہوں، معاملہ عجیب پر اسرار ہے اور الجھتا ہی جا رہا ہے" آصف بڑبڑایا۔

ڈاکٹر صاحب اب آفتاب کا علاج کر رہے تھے — دوسرے ہی لمحے انسپکٹر کامران مرزا کی آواز سنائی دی:

"ممم، میں — میں کہاں ہوں؟"

آصف اور فرحت تیزی سے ان کی طرف بڑھے۔

"آپ انکل سلمان جاہ کی حویلی میں ہی ہیں انکل۔" آصف نے جلدی سے کہا۔

"ہم، مجھے کیا ہوا؟" وہ بولے۔

"آپ نے آتش دان پر رکھے بت کو ہاتھ لگا دیا تھا بس آپ اچھل کر گر پڑے اور بے ہوش ہو گئے۔"

"اوہ ہاں، یاد آ گیا۔ مجھے یوں لگا تھا جیسے کرنٹ لگا ہو۔"

"لیکن مشکل یہ ہے انکل کہ اس بت میں کرنٹ نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ ہم نے ٹیسٹر سے اس کا جائزہ لیا ہے اور اس کے باوجود جب آفتاب نے بت کے سر پر ہاتھ لگایا تو اس کا بھی وہی حال ہوا جو آپ کا ہوا تھا۔"

"کیا مطلب، کیا اسے بھی کرنٹ لگا ہے؟" انسپکٹر کامران مرزا گھبرا گئے۔

"جی ہاں۔" اس نے فوراً کہا۔

"اوہ۔" وہ تیزی سے اٹھ کھڑے ہوئے اور آفتاب کی طرف مڑے ہی تھے کہ ان کی نظریں سلمان جاہ کے چہرے سے ٹکرائیں۔ وہ حیرت زدہ انداز میں بولے:

"ارے، یہ کیا — یہ تو سلمان جاہ ہیں۔"

"جی ہاں، اس میں کوئی شک نہیں۔"

"اُف خدا، کیا ہم واقعی کوئی بھیانک خواب دیکھ رہے ہیں؟"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے انکل؟" فرحت بولی۔

"پھر یہ یہاں کیسے نظر آ رہے ہیں؟" انہوں نے پوچھا۔

آصف نے جلدی جلدی تفصیل سنائی۔ انسپکٹر کامران مرزا حیرت زدہ انداز میں گھورتے رہے۔ آخر آصف کے خاموش ہونے پر بولے:

"حالات اس قدر عجیب اور پُراسرار ہیں کہ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔"

"تب پھر اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے کہ اس حویلی میں آسیب نے ڈیرا جما لیا ہے اور ایسا اس لیے ہوا کہ ہم نے حویلی کو ایک مدت تک بند رکھا۔ لہٰذا اب ہمیں یہاں سے شہر چلے جانا چاہیے۔"

"لیکن یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے۔" انسپکٹر کامران مرزا نے سوچ میں گم لہجے میں کہا۔

"اور وہ کیا؟" سلمان جاہ بولے۔

"آپ کو تو یہاں آئے ہوئے قریباً چھ ماہ گزر چکے ہیں، پھر چھ ماہ تک آسیب نے کچھ کیوں نہ کیا اور چھ ماہ بعد یکایک اسے کیا سوجھی۔"

"ہاں، یہ بات بھی عجیب ہے، لیکن افسوس، میں اس کا کوئی جواب نہیں دے سکتا۔" سلمان جاہ نے بڑبڑانے کے انداز میں کہا۔

تھوڑی دیر بعد آفتاب نے بھی آنکھیں کھول دیں۔ اس وقت
انسپکٹر کامران مرزا نے کہا:
"اچھا یہ بتائیے، کیا یہاں شیر جہان بھی آپ سے ملنے آتے
رہتے ہیں؟"
"ہاں بالکل۔"
"آج رات بھی آئے تھے؟"
"نہیں، آج رات نہیں آئے تھے۔" انہوں نے بتایا۔
"آپ کے کمرے سے جو چیزیں ہمیں ملی ہیں، ذرا انہیں بھی
ایک نظر دیکھ لیجیے۔" یہ کہہ کر انہوں نے عینک اور بٹن نکال کر
ان کے سامنے رکھ دیے۔ ان کو دیکھ کر سلمان جاہ کی آنکھیں
حیرت سے پھیل گئیں۔
"اف میرے خدا، یہ تو شیر جہان کی عینک ہے اور یہ بٹن بھی ان
کے کوٹ کا ہے۔ یہ چیزیں یہاں کس طرح پہنچ گئیں۔"
"ہم یہی جاننے کی کوشش کر رہے ہیں۔ کمرے کے فرش پر خون
کا ایک دھبا بھی موجود تھا۔ غسل خانے میں نہانے کے ٹب میں بھی
پانی خون آلود تھا۔ یہ سب باتیں ہماری سمجھ سے باہر ہیں۔"
"اور اس کی صرف ایک وجہ ہے۔ یہ کہ حویلی آسیب زدہ ہو چکی
ہے۔ ہمیں یہاں سے فوراً نکل جانا چاہیے، کیونکہ میرے جسم پر سرے
سے کوئی زخم نہیں ہے، پھر وہ خون کہاں سے آ گیا۔ ٹب کے پانی میں

خون کس طرح حل ہو گیا۔ میں کمرے سے باہر کس طرح نکل گیا اور
جنگل میں کس طرح پہنچ گیا۔ شیر خان کی عینک اور کوٹ کا بٹن
کمرے کے فرش پر کس طرح آ گئے۔ یہ سب باتیں پکار پکار کر اعلان
کر رہی ہیں کہ حویلی میں آسیب کا قبضہ ہو چکا ہے اور ہماری یہاں
آمد انہیں ناگوار گزری ہے، لہٰذا ہمیں یہاں سے فوراً نکل جانا
چاہیے۔"
"پھر وہی سوال اٹھ آتا ہے۔ پچھلے ماہ تک آسیب کیوں
خاموش رہے؟"
"پپ، پتا نہیں۔ یہ تو وہی جانیں۔" سلمان جاہ ہکلائے۔
"تو پھر ٹھیک ہے۔ اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ سب
لوگ یہاں سے نکل کھڑے ہوں۔" انسپکٹر کامران مرزا نے تھکے تھکے
انداز میں کہا۔
آدھ گھنٹے بعد وہ سب شہر کی طرف جا رہے تھے۔ سلمان جاہ،
ان کے بچوں اور ملازم نے صرف ضروری سامان ساتھ لیا تھا۔
سب کے سب سوچ میں گم تھے۔ آخر سلمان جاہ شہر والی کوٹھی تک
پہنچ گئے۔ اس وقت صبح کے پانچ بج رہے تھے۔ انسپکٹر کامران مرزا
نے سلمان جاہ سے اجازت لی اور اپنی جیپ میں وہاں سے چل پڑے۔
راستے میں نماز ادا کی گئی۔
"کیا اب ہم گھر جا رہے ہیں ابا جان؟"

"نہیں بھئی، ہم گھر کس طرح جا سکتے ہیں۔"

"تب پھر کیا آپ شیر جہاں کے گھر جائیں گے؟"

"ہاں، اتفاق سے مجھے اس کا گھر معلوم ہے۔"

"آپ نے اسے بہت غلط آدمی کہا تھا، یہ کیوں؟" آصف نے پوچھا۔

"اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ ایک غلط آدمی ہے۔ اس کے بارے میں کئی باتیں مشہور ہیں۔ یہ کہ وہ ایک بے ایمان آدمی ہے۔ ہر جائز اور ناجائز طریقوں سے دولت کمانے پر تلا رہتا ہے۔ دوسرے یہ کہ اس کی ایک فرم معالجات کی ہے۔ سننے میں آیا ہے کہ اس کے معالجوں میں ملاوٹ بہت ہوتی ہے۔ کئی بار اس کے معالجوں کے سمپل بھرے گئے، لیکن ملاوٹ ثابت نہیں ہو سکی۔ اور میں سمجھتا ہوں، اس نے فوڈ انسپکٹروں کو رشوت دے دی ہوگی اور بھی اسی قسم کی باتیں اس کے بارے میں سنی جاتی ہیں۔"

"تب پھر سلمان جاہ نے اسے دوست کیوں بنا رکھا ہے؟"

"پتا نہیں، یہ سوال بھی ان سے پوچھنا چاہیے تھا۔ خیر، پوچھ لیں گے، ابھی تو فی الحال شیر جہاں سے مل لیتے ہیں۔"

پندرہ منٹ بعد آصف شیر جہاں کے دروازے پر دستک دے رہا تھا۔ اسے کئی بار دستک دینا پڑی، تب کہیں جا کر دروازہ کھلا اور ایک ملازم کا نیند میں ڈوبا چہرہ دکھائی دیا۔

"کیا بات ہے جناب؟" اس نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

"معاف کیجیے گا، ہم نے آپ کو غلط وقت پر تکلیف دی۔ شاید یہ آپ کے سونے کا وقت ہے۔"

"میرا ہی نہیں۔ شیر جہاں اور گھر کے دوسرے لوگوں کے بھی سونے کا وقت ہے۔"

"جب کہ یہ اللہ کی عبادت کا وقت ہے۔ خیر، آپ شیر جہاں کو جگا دیں۔ ہمیں ان سے ایک ضروری کام ہے۔ یہ میرا کارڈ لے جائیے۔"

"اچھا، آپ لوگ یہیں ٹھہریے۔" اس نے منہ بنا کر کہا اور اندر چلا گیا۔ پانچ منٹ بعد اس کی واپسی ہوئی۔

"آئیے جناب، ڈرائنگ روم میں تشریف رکھیے۔ صاحب ابھی آتے ہیں۔"

انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھا کر وہ چلا گیا۔ تقریباً دس منٹ بعد ایک لمبے قد کا آدمی اندر داخل ہوا۔ اس کے چہرے پر حیرت کے آثار تھے۔

"آپ کی آمد میرے لیے حیرت کا باعث ہے جناب، کیا مجھ سے کوئی جرم سرزد ہو گیا ہے؟" اس نے پریشان آواز میں کہا۔

"ہو سکتا ہے۔"

"ہو سکتا ہے۔ جی، کیا مطلب؟" وہ اچھل اٹھا۔

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں جناب، میں تو جرائم سے کوسوں دور بھاگتا ہوں۔"

"مسالحوں میں ملاوٹ کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟"

"مجھ پر ملاوٹ کا الزام ضرور لگایا جاتا ہے، لیکن میں ایسا کرتا نہیں۔"

"آصف، ۵۴۵۲۶ نمبر ڈائل کرو اور کہو، میں یہاں موجود ہوں۔"

"جی بہتر۔" آصف نے کہا اور پاس رکھے فون کا ریسیور اٹھا لیا اور نمبر گھمانے لگا۔

"یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟" شیر جہاں نے بوکھلا کر کہا۔

"میں تو حیران ہوں — میں نے اب تک یہ کیوں نہیں کیا۔ یہ کام تو مجھے بہت پہلے کر ڈالنا چاہیے تھا — کھانے پینے کی چیزوں میں ملاوٹ کرنا بنی نوع انسانی کو قتل کرنے کے برابر ہے — پہلے میں اس انتظار میں رہا کہ متعلقہ عملہ خود ہی آپ کے خلاف کارروائی کرے گا، لیکن ایسا نہیں ہو سکا — اس لیے آج میں خود حرکت میں آ رہا ہوں اور اگر آپ کے مسالحہ جات میں ملاوٹ ثابت نہ ہو سکی تو میں آپ سے معافی مانگ لوں گا۔"

"تو کیا آپ اسی کام سے آئے ہیں؟"

"کام تو خیر ہمیں ایک اور بھی ہے، لیکن یہ کام زیادہ ضروری

ہے۔" وہ مسکرائے۔

"اور وہ دوسرا کام کیا ہے؟" اس نے برا سا منہ بنایا۔

"دوسرا کام سلمان جاہ سے تعلق رکھتا ہے۔"

"کیا مطلب، سلمان جاہ تو میرے دوست ہیں۔" وہ چونک کر بولا۔

"ہاں، ہم کب کہتے ہیں، دوست نہیں ہیں — دوست نہ بھی ہوتے تو بھی ہمیں یہاں آنا پڑتا۔"

"پتا نہیں، آپ کیا کہہ رہے ہیں؟"

"چند منٹ ٹھہر جائیے۔ سب سمجھ میں آ جائے گا۔"

آخر دروازے پر دستک ہوئی۔

"جاؤ آصف، کہیں ان کا ملازم آنے والوں کو واپس نہ کر دے۔ ڈاکٹر غزنوی کو اندر لے آؤ۔"

"ڈ، ڈاکٹر غزنوی — محکمہ خوراک کے ناظم اعلیٰ۔" شیر جہاں ہکلایا۔

"ہاں، فوڈ انسپکٹروں کو رشوت دینا آسان ہے، انہیں رشوت دینا بہت مشکل، بلکہ ناممکن ہوگا۔ اسی لیے میں نے انہیں بلایا ہے۔"

آصف اس وقت تک کمرے سے نکل چکا تھا — پھر ایک ادھیڑ عمر

کے آدمی اندر داخل ہوئے۔ ان کے ساتھ دو آدمی اور تھے۔ آصف اور ملازم ان کے بعد اندر داخل ہوئے۔

"خیر تو ہے انسپکٹر صاحب؟"

"آیئے ڈاکٹر صاحب۔ آپ کے عملے نے شیر جہاں صاحب کے مصالحہ جات کے نمونے تو کئی بار لیے۔ مصالحوں میں کوئی خرابی نہ نکال سکے۔ میں چاہتا ہوں، اس بار آپ یہ کام خود کریں، مطلب یہ کہ کسی ماتحت کو ہاتھ تک نہ لگانے دیں۔"

"بہت بہتر، میں سمجھ گیا۔ آپ کے حکم کی تعمیل ہوگی۔"

"اب رہا یہ سوال، یہ نمونہ کہاں سے حاصل کریں۔ ان کی فیکٹری سے بھی اور بازار میں دکانوں پر رکھے مال میں سے بھی۔"

"جی بہتر۔" انھوں نے کہا۔

"اور رپورٹ مجھے دفتر میں مل جانی چاہیے۔ آپ کسی کی سفارش نہیں سنیں گے، نہ کسی کا دباؤ مانیں گے۔ اگر کوئی ایسا کرنے کی کوشش کرے تو ان سے کہہ دیجیے گا، وہ مجھ سے بات کریں۔"

"ٹھیک ہے، میں سمجھ گیا۔ ایسا ہی ہوگا۔"

"فیکٹری کھلتے ہی آپ نمونہ حاصل کریں۔ ایسا نہ ہو آپ دیر کردیں اور وہ مال تبدیل کردیں۔"

"جی، میں سمجھتا ہوں۔"

"شکریہ۔ اب آپ تشریف لے جا سکتے ہیں۔"

ڈاکٹر غزنوی ان سے ہاتھ ملا کر رخصت ہوگئے۔

"اور اب میں اس دوسرے مسئلے کی طرف آتا ہوں، جس نے مجھے آپ کی طرف متوجہ کیا۔ کیا آپ آج رات سلمان جاہ کے ہاں گئے تھے؟"

"نہیں تو۔ کیوں کیا بات ہے؟" اس نے چونک کر کہا۔

"ان چیزوں کو پہچانتے ہیں؟"

یہ کہہ کر انھوں نے جیب سے عینک اور بٹن نکال کر اس کے سامنے رکھ دیے۔

"یہ۔ یہ آپ کو کہاں سے ملے؟"

"یہ چیزیں آپ کی ہی ہیں نا؟"

"ہاں بالکل، عینک تو خیر میں بھی ڈھونڈ رہا ہوں۔ ہاں کوٹ کے بٹن کے بارے میں میں نے یہ خیال کر لیا تھا کہ کہیں گر گیا ہوگا۔"

"تو آپ کو نہیں معلوم کہ یہ عینک اور بٹن کس طرح گم ہوئے؟" انسپکٹر کامران مرزا نے پوچھا۔

"نہیں، دو تین دن پہلے عینک گم ہوئی تھی اور شاید اسی دوران بٹن بھی کہیں گر گیا تھا۔ میں حیران ہوں، یہ چیزیں آپ کو کہاں سے مل گئیں۔ ارے ہاں، آپ نے سلمان جاہ کا نام لیا تھا۔"

"ہاں، یہ دونوں چیزیں انھی کے کمرے سے ملی ہیں۔"

"اوہ، تو یہ وہاں رہ گئی تھیں — حیرت ہے، سلمان نے مجھے بتایا
ہی نہیں۔"
"اور ان دونوں چیزوں کے پاس کمرے کے فرش پر خون کا
ایک دھبا بھی پایا گیا — یہی نہیں، غسل خانے میں نہانے کے ٹب میں
پانی بھی خون آلود تھا۔"
"کک، کیا مطلب؟" شیر جہاں نے تھر تھر کانپتی آواز میں کہا۔ اس
کا رنگ سفید پڑ گیا، پھر اس نے خود ہی لرزتی آواز میں کہا۔
"تت، تو کیا — تو کیا سلمان کو کسی نے قتل کر دیا ہے اور اور
یہ چیزیں — اُف خدا....." وہ کہتے کہتے رک گیا، آنکھیں خوف اور
دہشت سے پھیل گئیں —
"نہیں، وہ قتل نہیں ہوئے بلکہ انہیں اغوا کر لیا گیا" انسپکٹر
کامران مرزا گول مول انداز میں بولے —
"جی؟ اغوا کر لیا گیا، لیکن کیوں — کسی کو کیا ضرورت تھی انہیں
اغوا کرنے کی؟"
"یہ تو اغوا کرنے والا ہی بتا سکتا ہے۔"
"اُف، ریحان اور سعدیہ کا کیا حال ہوگا — مجھے وہاں جانا چاہیے"
اس نے بے چین ہو کر کہا۔
"ان کا حال ٹھیک ہے — فکر کی کوئی بات نہیں کیونکہ سلمان چچا
مل گئے ہیں۔"

"کیا کہا، مل گئے ہیں؟"
"ہاں، اور وہ حویلی سے شہر والی کوٹھی میں واپس آ گئے ہیں۔"
"اوہ" اس کے منہ سے نکلا۔
"اب آپ ان چیزوں کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟"
"مم، میں نہیں جانتا، یہ وہاں کس طرح پہنچیں، اور اب مجھے اجازت
دیجیے — میں جلد از جلد اپنے دوست کے پاس جانا چاہتا ہوں۔"
"اچھی بات ہے — آؤ بھئی چلیں" انہوں نے اٹھتے ہوئے کہا۔
پھر رکتے ہوئے بولے،
"اور ہاں مسٹر شیر جہاں، فرار ہونے کی کوشش بے سود ہوگی —
اشاروں میں میں نے غزنوی صاحب سے کہہ دیا تھا کہ آپ کی نگرانی بھی
شروع کرا دی جائے۔"
شیر جہاں ساکت رہ گیا۔ اس کے منہ سے ایک لفظ بھی نہ نکل سکا۔
وہ کمرے کے دروازے کی طرف بڑھے ہی تھے کہ فرحت کو ایک خیال آیا۔
"ایک منٹ انکل، ہم نے وہ کوٹ تو دیکھا ہی نہیں جس کا بٹن
ہمارے پاس ہے۔"
"اوہ ہاں، یہ بھی ٹھیک ہے — مسٹر شیر جہاں، آپ وہ کوٹ دکھا
سکتے ہیں؟"
"ہاں، کیوں نہیں۔"

"تو پھر مولوی ذرا کوٹ لے آیئے۔"

"اچھی بات ہے، میرا اس معاملے سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔"

یہ کہہ کر وہ کمرے سے نکل گیا۔ جلد ہی اس کی واپسی ہوئی۔ اس کے ہاتھ میں نیلے رنگ کا کوٹ تھا اور اس کا ایک بٹن غائب تھا۔

اللہ رحم فرمائے

چند سیکنڈ تک وہ اسے گھورتے رہے۔ آخر انسپکٹر کامران مرزا بولے:

"تو آپ کے کوٹ کا بٹن غائب ہے؟"

"جی ہاں، میں حیران ہوں، وہ کہاں گر گیا، اسے کس نے چرایا؟"

"کوٹ کا بٹن غائب ہونے کے بارے میں آپ کو اسی وقت پتا چلا یا پہلے سے معلوم تھا؟"

"جی، وہ۔۔ ہاں۔ یہ ٹھیک ہے، بٹن آج سے تین دن پہلے غائب ہوا تھا۔"

"ہوں، اچھا ٹھیک ہے۔ اب ہم چلیں گے، آؤ بھئی۔"

وہ باہر نکل کر جیپ میں بیٹھے اور گھر کی طرف روانہ ہوگئے۔

"اب کیا پروگرام ہے ابا جان؟"

"شام کو ہم پھر حویلی کا رخ کریں گے اور اس بٹن کا راز معلوم کریں گے۔"

"جی، کیا فرمایا، بت کا راز؟" آفتاب نے چلانے کے انداز میں پوچھا۔

"کیوں، اس میں اس قدر حیرت کی کیا بات ہے؟"

"اگر فاروق یہ نام سنتا تو یہ ضرور کہتا، یہ تو کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے۔" آفتاب مسکرایا۔

"تو تم بھی کہہ لو، تمہیں کس نے روکا ہے۔" فرحت نے منہ بنایا۔

"اگر روکا نہیں تو پھر منہ کس خوشی میں بنایا جا رہا ہے۔" آفتاب شوخ لہجے میں بولا۔

"معاملہ ابھی تک سمجھ میں نہیں آیا۔" آصف نے جلدی سے کہا۔

"کم از کم میں ایک بات یقین سے کہہ سکتا ہوں، یہ کہ معاملہ ہے عربی کا ہی۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"اور آج تو وہاں کوئی ہوگا بھی نہیں — کیا ہمیں ڈر نہیں محسوس ہوگا۔" آفتاب نے ڈرے ڈرے انداز میں کہا۔

"تمہیں تو ضرور محسوس ہوگا۔" آصف مسکرایا۔

گھر پہنچے تو ناشتا تیار ملا — ناشتے کے بعد انسپکٹر کامران مرزا نے دفتر کا رخ کیا اور ان تینوں نے سکولوں کا — تقریباً دو گھنٹے بعد انسپکٹر کامران مرزا کے فون کی گھنٹی بجی۔

"ہیلو، انسپکٹر کامران مرزا بول رہا ہوں۔"

"یہ میں ہوں جناب، ڈاکٹر غزنوی — یہ آپ نے مجھے کس مصیبت میں مبتلا کر دیا۔"

"کیا مطلب؟" وہ چونک اٹھے۔

"پتا نہیں کس کس کے فون آ چکے ہیں — دباؤ والے فون، دھمکیوں والے فون اور سفارشیں تو ان گنت موصول ہو چکی ہیں۔"

"پروا نہ کریں، آپ بس انہیں میرا نام بتاتے رہیں — کیا آپ نمونے لے چکے ہیں؟"

"جی ہاں بالکل، اور شیر جہاں کی نگرانی بھی ہو رہی ہے۔"

"پھر معائنوں کا کیا رہا؟"

"ان میں پچاس فیصد ملاوٹ کی گئی ہے۔"

"اف خدا، پچاس فیصد — تب تو پھر شیر جہاں کو فوری طور پر گرفتار کر لینا چاہیے۔"

"جی ہاں، وارنٹ جاری ہو چکے ہیں اور عملہ گرفتار کرنے کے لیے جا چکا ہے۔"

"ٹھیک ہے، میں یہی چاہتا تھا۔"

"لیکن جناب، شاید عملہ انہیں گرفتار نہ کر سکے — انہوں نے اپنے وکیل کو بلا لیا ہوگا اور وکیل نے قبل از گرفتاری ضمانت کرا لی ہوگی۔"

"کوئی پروا نہیں — اسے گرفتار ضرور کیا جائے گا، اس کی فیکٹری ضرور بند ہوگی۔"

یہ کہہ کر انہوں نے ریسیور رکھ دیا — اسی وقت فون کی گھنٹی بجی۔

اور آئی جی صاحب کی آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی :

"بھئی کامران مرزا! یہ شیر جہاں کا کیا معاملہ ہے؟"

"اوہو! تو معاملہ آپ تک پہنچ گیا — وہ معاملات میں ملاوٹ کا مجرم ہے سر — تھوڑی بہت بھی نہیں، پوری پچاس فیصد ملاوٹ کا" انہوں نے جواب دیا۔

"لیکن بھئی! تمہارا اس معاملے سے کیا تعلق ہے؟" وہ حیران ہو کر بولے۔

"تعلق کیوں نہیں سر — یہ تو پوری قوم کا معاملہ ہے — پوری قوم کی صحت کا معاملہ ہے۔"

"ہوں! بات تو ٹھیک ہے! مگر مجھے اس کی سفارش نہیں ماننی چاہیے۔"

"بالکل نہیں سر! اگر اسے چھوڑ دیا گیا تو وہ اور بھی دلیر ہو جائے گا اور اس سے بھی زیادہ ملاوٹ کرے گا۔"

"ہوں ٹھیک ہے" انہوں نے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔

"دیکھا شاہد! اس طرح ہوتے ہیں جرائم — یہ مجرم سفارشیوں کی ایک پوری لائن رکھتا ہے اور سفارش کرنے والے اندھے ہیں — یہ نہیں دیکھتے کہ کس ناسور کی سفارش کر رہے ہیں" انہوں نے دردبھری آواز میں کہا۔

ایک گھنٹے بعد انہیں ایک فون موصول ہوا۔ کوئی کہہ رہا تھا :

"بڑے بارسوخ بنے پھرتے ہیں آپ — اعلیٰ عدالت نے شیر جہاں کی ضمانت منظور کر لی ہے۔"

وہ دھک سے رہ گئے — انہوں نے ضمانت نہ ہونے دینے کے سلسلے میں تو کوئی قدم اٹھایا ہی نہیں تھا —

○

شام کے ساڑھے پانچ بجے وہ حویلی کے سامنے پہنچ گئے — اس وقت بھی حویلی انہیں پراسرار لگ رہی تھی —

"نہ جانے کیا بات ہے، مجھ پر خوف سوار ہو گیا ہے" آفتاب نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"اللہ اپنا رحم فرمائے۔ ابھی ہم حویلی میں داخل ہوئے نہیں اور خوف پہلے ہی حملہ آور ہو گیا" فرحت نے منہ بنایا —

"بھئی خوف کی کیا بات ہے۔ کیا تم آسیب سے ڈرتے ہو؟" انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

"آسیب سے کون نہیں ڈرتا ابا جان۔"

"بہت سے دلیر آدمی آسیب سے ذرا بھی نہیں ڈرتے اور میں ان میں سے ایک ہوں" انہوں نے کہا۔

وہ سلطان جاہ سے چابیاں لے کر آئے تھے۔ انہوں نے صدر

دروازے کا تالا کھولا اور اندر داخل ہوئے۔

"دروازہ اندر سے بند کر دیا جا سکتا ہے آغا جان؟" آفتاب نے پوچھا۔

"ہاں، کر دو۔" وہ بولے۔

اب وہ آگے بڑھے اور اندرونی دروازہ کھولتے ہوئے برآمدے میں پہنچے ۔۔۔ یہاں تک کہ سلمان جاہ والے کمرے میں داخل ہو گئے ۔۔۔ کمرہ جس حالت میں وہ چھوڑ گئے تھے، بالکل اسی حالت میں ملا۔ انہوں نے سب سے پہلے بت کی طرف توجہ دی۔ کہ انسپکٹر کامران مرزا ربڑ کے دستانے ساتھ لائے تھے ۔۔۔ انہوں نے دونوں ہاتھوں پر دستانے چڑھا لیے اور بت کے سر پر ہاتھ پھیرا ۔۔۔ انہیں کچھ بھی نہ ہوا ۔۔۔ بت کو اٹھا کر دیکھنا چاہا تو وہ آتش دان پر جما نظر آیا ۔۔۔

"آصف، یہاں سے کوئی چیز دینا، کوئی وزنی چیز۔"

"کیا ارادہ ہے انکل، کیا اسے توڑیں گے؟"

"نہیں، آتش دان پر سے اکھاڑنے کا ارادہ ضرور ہے۔" انسپکٹر کامران مرزا نے جواب دیا ۔۔۔

"اوہ، تو یہ چپکا ہوا ہے؟" فرحت حیرت زدہ انداز میں بولی۔

"ہاں، یہی بات ہے۔"

انہوں نے کمرے میں ادھر ادھر نظریں دوڑائیں، پھر کمرے سے باہر نکل گئے ۔۔۔

تھوڑی دیر بعد ایک لوہے کا راڈ اٹھائے کمرے میں داخل ہوئے اور پھر دھک سے رہ گئے ۔۔۔

انسپکٹر کامران مرزا کمرے میں نہیں تھے ۔۔۔

بند دروازہ

"ابا جان، آپ کہاں ہیں؟" آفتاب نے خوف زدہ آواز میں کہا، لیکن انسپکٹر کامران مرزا کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا۔

"کہیں انکل غسل خانے میں تو نہیں ہیں؟" یہ کہہ کر فرحت جلدی سے غسل خانے کے دروازے کی طرف بڑھی اور اسے کھول کر اندر گھس گئی — لیکن پھر فوراً ہی نکل آئی —

"ن، نہیں — انکل غسل خانے میں بھی نہیں ہیں۔"

"تب پھر وہ کہاں چلے گئے؟" آفتاب کانپ اٹھا —

"اف خدا، کہیں — کہیں...." آصف ہکلا کر رہ گیا —

"کیا کہنا چاہتے ہو؟" فرحت نے الجھ کر پوچھا —

"کہیں سلمان جاہ کی طرح انکل بھی غائب تو نہیں کر دیے گئے؟"

"اوہ" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا —

"اب — اب ہم کیا کریں؟"

"مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے — آؤ، پہلے تو صدر دروازے کو دیکھ

لیں — اس کے بعد غور کریں گے کہ کیا کرنا چاہیے۔" آفتاب بولا۔

تینوں دوڑتے ہوئے صدر دروازے تک پہنچے اور اسے کھول ڈالنا چاہا، لیکن دروازہ نہ کھلا۔

"تو دروازہ بھی باہر سے بند کر دیا گیا — اس کا مطلب ہے، ہمارے خلاف پہلے ہی جال بچھا دیا گیا تھا، لیکن نہیں — ابھی ایک راستہ باقی ہے — آؤ، جلدی کرو۔"

یہ کہہ کر فرحت نے اندر کی طرف دوڑ لگا دی — آفتاب اور آصف بھی اس کا ساتھ دینے کے علاوہ کیا کر سکتے تھے — تینوں پھر اسی کمرے میں آ گئے — فرحت نے فون کا ریسیور اٹھایا اور جلدی جلدی نمبر ڈائل کرنے لگی، پھر انہوں نے اس کی پیشانی پر لکیریں ابھرتے دیکھیں۔

"اوہو، تو فون کے تار بھی کاٹ دیے گئے — اُف خدا، اب کیا ہوگا؟"

وہ سکتے میں آ گئے — انسپکٹر کامران مرزا غائب تھے، بیرونی دروازہ باہر سے بند کر دیا گیا تھا اور فون کا تار کاٹ دیا گیا تھا۔

"مگر اس کا ایک بات ثابت ہو گئی۔" آصف بولا۔

"کیا بات ثابت ہو گئی؟" آفتاب جھنجھلا کر بولا۔

"یہ کہ ہم کسی آسیبی چکر میں الجھے ہوئے نہیں ہیں — یہ ضرور انسانی چکر ہے۔"

"انسانی چکر؟" فرحت بڑبڑائی، پھر جلدی سے بولی:

"ہاں، بالکل ٹھیک — آسیب بھلا فون کے تار کیوں کاٹنے لگے، بیرونی دروازہ کیوں بند کرنے لگے اور ابا جان کو کیوں غائب کرنے لگے — تب پھر کل انکل سلمان جاہ کے ساتھ بھی آسیبی چکر نہیں چلا تھا۔ اس چکر میں بھی انسانی ہاتھوں کا دخل تھا۔"

"ہاں، بالکل یہی بات ہے — سوال یہ ہے کہ اب ہم کیا کریں۔"

"ابا جان اس بت کے ساتھ الجھے ہوئے تھے۔ وہ اسے اکھاڑ کر دیکھنا چاہتے تھے — ہو سکتا ہے، انہوں نے اکھاڑنے سے پہلے اسے گھما کر دیکھ لیا ہو، لیکن مشکل یہ ہے کہ اس میں کرنٹ دوڑ رہا ہے۔ ہم اسے کس طرح گھمائیں۔ وہ تو ربڑ کے دستانے لے آئے تھے۔"

"ہاتھوں پر رومال باندھ کر کیوں نہ گھمانے کی کوشش کی جائے۔"

"اس صورت میں بھی کرنٹ لگ سکتا ہے — ہاں، دو تین رومال اگر پہلے لپیٹ لیے جائیں تو اور بات ہے۔"

"ٹھیک ہے، نکالو اپنا اپنا رومال۔" آفتاب بولا۔

اس نے دائیں ہاتھ پر تینوں رومال لپیٹے اور بت کے سر پر ہاتھ رکھ دیا — اسے کوئی جھٹکا نہ لگا — اب اس نے بت کو پکڑ کر گھمایا — فوراً ہی دیوار میں ایک دروازہ کھل گیا —

"وہ مارا — آؤ۔" اس نے خوش ہو کر کہا۔

"اندھا دھند نیچے اترنا مناسب نہیں ہوگا — پہلے انکل کو آواز

تو دے کر دیکھ لو۔"

"اوہ ہاں۔" آفتاب چونکا — پھر دروازے میں منہ ڈال کر بلند آواز میں بولا:

"ابا جان، کیا آپ نیچے ہیں؟"

لیکن انسپکٹر کامران مرزا کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا۔ اس نے ان کی طرف دیکھا:

"اب کیا خیال ہے؟"

"مجبوری ہے، ہمیں نیچے جانا ہی ہوگا۔ کیونکہ صاف ظاہر ہے، بت کو گھمانے پر دروازہ کھل گیا ہوگا اور ابا جان نیچے گئے ہوں گے۔ نیچے پہنچنے پر ان پر کیا بیتی، یہ ہمیں نیچے جا کر ہی معلوم ہو سکتا ہے۔" فرحت جلدی جلدی بولی۔

"تو پھر آؤ، دیکھا جائے گا۔" آصف نے کندھے اچکائے۔

تینوں دروازے میں داخل ہوئے — نیچے سیڑھیاں جاتی نظر آئیں۔ وہ ایک ایک کر کے سیڑھیاں اترنے لگے۔ جوں ہی آخری سیڑھی پر قدم رکھا، دروازہ خود بخود بند ہو گیا —

اب وہ گھپ اندھیرے میں کھڑے تھے۔ جب تک دروازہ کھلا تھا، کمرے کی روشنی کسی قدر نیچے بھی آ رہی تھی —

"ابا جان، کیا آپ بھی یہیں کہیں موجود ہیں؟" آفتاب نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا —

لیکن اسی وقت اس کے سر پر کوئی وزنی چیز لگی۔ وہ چلا اٹھا
"آصف، فرحت بچو۔" اس کے ساتھ ہی وہ نیچے گرا اور بے
ہوش ہو گیا۔

○

آصف اور فرحت نے جوں ہی اس کی چیخ سنی، فرش پر گرے
اور لڑھکتے چلے گئے۔ لیکن پھر بھی انہوں نے خطرہ اپنے سر پر ہی
محسوس کیا، کیونکہ کوئی برابر ان کی طرف بڑھا چلا آ رہا تھا اور پھر وہ
دیوار سے جا لگے۔ کسی کے ہنسنے کی آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی۔
اور ان کے سروں پر گویا قیامت ٹوٹ پڑی۔ دوسرے ہی لمحے وہ
بھی مکمل طور پر بے ہوش ہو چکے تھے۔

آنکھ کھلی تو ایک کمرے میں تھے۔ کمرے کا دروازہ بند تھا۔
اس میں کوئی کھڑکی یا روشن دان بھی نہیں تھا۔ انہوں نے ایک
دوسرے کو دیکھا۔ ان میں انسپکٹر کامران مرزا نہیں تھے۔ کمرے کی چھت
سے ایک بلب لٹک رہا تھا، جو روشن تھا۔

"کیا ہم اسی تہہ خانے میں ہیں؟" آصف بڑبڑایا۔

"ہرگز نہیں، اگر اس تہہ خانے میں ہوتے تو سیڑھیاں بھی ہونی
چاہییں تھیں۔" فرحت نے جواب دیا۔

"میرا سر پھٹا جا رہا ہے۔" آفتاب نے منہ بنایا اور سر پر ہاتھ پھیرا۔
اب جو ہاتھ سامنے کیا تو خون سے تر تھا۔

"ارے باپ رے۔ میرے سر سے تو خون رس رہا ہے۔"

"ہوں، ہمارا حال بھی مختلف نہیں ہے، لیکن سوال تو یہ ہے ابا جان
کہاں ہیں؟"

"شاید انہوں نے ابا جان کو الگ کمرے میں رکھا ہوا ہے۔ صاف
ظاہر ہے، وہ بھی ان کے قیدی ہی ہیں۔"

"آخر یہ چکر کیا ہے؟"

"اب تو میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ کم از کم یہ آسیبی چکر تو
نہیں ہو سکتا، ضرور انسانی چکر ہے۔"

"اور اس چکر کو حرکت دینے والے انسان کیا چاہتے ہیں؟"

"خدا ہی بہتر جانتا ہے۔"

"یوں کام نہیں چلے گا، ان لوگوں کو اطلاع تو دینی چاہیے کہ
ہم ہوش میں آ گئے ہیں۔" یہ کہہ کر آصف اٹھا اور دروازے پر پہنچ
گیا۔ اب وہ دروازے کو زور زور سے پیٹ رہا تھا۔

"تم دونوں بیٹھے کیا کر رہے ہو۔ تم بھی آ جاؤ اور میرا ساتھ
دو۔ ہم جتنا شور مچائیں گے، اتنا ہی جلد ان کے کانوں پر جوں رینگے
گی۔" اس نے کہا۔

"ہوں، ٹھیک ہے۔ اس وقت ان کے کانوں کے لیے جوں کی

بہت سخت ضرورت ہے۔" یہ کہہ کر آفتاب بھی اٹھ کھڑا ہوا۔ فرحت
بھی اٹھی — تینوں زور شور سے دروازہ پیٹنے لگے — آخر دروازہ کھلا
اور جھنائی ہوئی آواز میں کسی نے کہا:

"یہ کیا ہو رہا ہے۔"

انہوں نے دیکھا، ایک پتلے دبلے اور مریل سے آدمی نے
دروازہ کھولا تھا اور انہیں کھا جانے والے انداز میں گھور رہا تھا۔

"ہم ذرا طبلہ بجا رہے تھے، موسیقی پیدا کرنے کا ارادہ تھا۔"
آفتاب نے منہ بنا کر کہا۔

"تمہیں یہاں بھی چین نہیں۔" وہ چلا اٹھا۔

"کیا مطلب؟" تینوں ایک ساتھ بولے۔

"اگر آرام سے نہ بیٹھے تو اس سے بھی بڑی جگہ رکھا جائے گا تم
لوگوں کو۔" اس نے دھمکی دی۔

"لیکن ہم نے کیا کیا ہے، ہمارا قصور کیا ہے؟"

"یہ کیا کم قصور ہے کہ حویلی کے تہ خانے تک پہنچ گئے۔ مطلب
یہ کہ اوپر بھی آرام سے نہیں بیٹھے، اب یہاں بھی شور مچا رہے ہو۔
میں نے تم جیسے بڑباز بچے آج تک نہیں دیکھے۔"

"خدا کا شکر کریں، اس نے آج تو دکھا دیے — اگر آپ دیکھے
بغیر مر جاتے تو حسرت ہی رہتی۔"

"ہاں، یہ تو ہے — ارے ہیں، کیا کہا؟" وہ چلا اٹھا۔

"قطعاً کچھ نہیں — آپ کے سننے میں فرق ہے۔" آفتاب نے
برا سا منہ بنایا پھر بولا:

"آپ لوگوں کا پروگرام کیا ہے؟"

"ہمارا جو بھی پروگرام ہے، ہم اس پر عمل کر رہے ہیں۔ جب
پروگرام مکمل ہو جائے گا تو یہاں سے چلے جائیں گے۔"

"اور ہم، یعنی کہ ہمارا کیا بنے گا؟"

"ہڈیوں کے ڈھانچے — جب کچھ زندہ انسانوں کو کسی تہ خانے
میں بند کر دیا جائے تو ایک عرصے بعد اس تہ خانے میں صرف
ڈھانچے ہی پڑے رہ جاتے ہیں۔"

"ارے باپ رے، یہ پروگرام تو حد درجے خوف ناک ہے۔ کیا آپ
اس سے کچھ نرم پروگرام نہیں بنا سکتے۔"

"سوری، یہ تمہارا اپنا کیا دھرا ہے، کیا ضرورت تھی پتنگ اڑانے
کی۔" اس نے جھلا کر کہا۔

"پتنگ ہم نے خود نہیں اڑائی — ہمیں پتنگ اڑانے کی دعوت
دی گئی تھی۔" آفتاب نے فوراً کہا۔

"کچھ بھی ہو، تم لوگوں کی وجہ سے ہمیں بہت پریشانی ہوئی
ہے — لہٰذا ہم تم لوگوں کو نہیں چھوڑیں گے۔"

"ہمارے ساتھی کہاں ہیں؟" فرحت بولی۔

"ساتھ والے کمرے میں، کیا تم ان سے ملنا چاہتے ہو؟"

"ہاں، کیوں نہیں۔"

"بہت جلد تمہاری ان سے ملاقات کرادی جائے گی۔ باس سے اجازت لینا ہوگی۔"

"آپ کے باس کون صاحب ہیں۔ بہت نیک آدمی معلوم ہوتے ہیں۔" آفتاب نے خوش ہو کر کہا۔

"تم ان سے مل کر بہت خوش ہوگے، فکر نہ کرو۔"

یہ کہہ کر وہ جانے کے لیے مڑا ہی تھا کہ ان تینوں نے ایک ساتھ اس پر چھلانگ لگا دی۔ وہ دھڑام سے گرا اور یہ اسے چھاپ بیٹھے۔

"ارے ارے، یہ ۔۔۔ یہ کیا کر رہے ہو؟" اس نے بوکھلا کر کہا۔

"ہم بھی اپنے پروگرام پر عمل کر رہے ہیں۔"

"لیکن تمہیں اس حرکت سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ ہاں نقصان ضرور ہو سکتا ہے۔"

"ہڈیوں کے پنجر بنانے کا پروگرام تو تم لوگ بنا ہی چکے ہو۔ اس سے زیادہ کیا نقصان ہوگا۔" فرحت نے جل کر کہا۔

"وہ ۔۔۔ وہ تو میں مذاق کر رہا تھا۔"

"اوہو اچھا، پہلے کیوں نہیں بتایا تھا ۔۔۔ چھوڑ دو بھئی اسے۔ یہ بے چارہ تو مذاق کر رہا تھا ۔۔۔" آفتاب نے خوش ہو کر کہا۔

"تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا ۔۔۔" آصف نے جھلا کر کہا۔

"ہاں، شاید چل تو گیا ہے۔ لیکن، تم کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"یار چپ رہو، دماغ نہ کھاؤ۔" آصف تنگ آ کر بولا۔

تینوں نے اس کی مرمت شروع کر دی ۔۔۔ اس نے بھی ہاتھ پیر چلانے کی بہت کوشش کی، لیکن ان کے مقابلے میں اس کی پیش نہ گئی ۔۔۔ اور آخر وہ بے دم ہو گیا۔

"باندھ لو اسے۔" آصف بولا۔

"باندھیں کس چیز سے ہیں۔ انہوں نے ہمارے لیے یہاں رسیوں کا انتظام تو کر نہیں رکھا۔" آفتاب نے اسے گھورا۔

انہوں نے کمرے کا جائزہ لیا، لیکن رسی قسم کی کوئی چیز نظر نہ آئی ۔۔۔

"تو پھر اسے بے ہوش کر دیتے ہیں۔" یہ کہہ کر آصف نے پاؤں کی ایک ٹھوکر رسید کرنے کی تیاری کی ۔۔۔ وہ زور سے کانپا، اور پھر چیخ اٹھا:

"یہ ۔۔۔ یہ تم کیا کر رہے ہو؟"

"اپنے ڈھانچے دیکھنے سے یہ کہیں بہتر ہے کہ ہم کبھی کبھار تمہارا ڈھانچہ دیکھنے یہاں آجایا کریں گے۔" آفتاب مسکرایا۔

"نن ۔ نہیں ۔۔۔ تم ایسا نہیں کر سکو گے ۔۔۔ باس آنے والے ہی ہوں گے ۔۔۔ یہ میری غلطی تھی کہ میں نے دروازہ کھول دیا ۔۔۔ باس نے تو سختی سے منع کیا تھا کہ تم لوگوں کے کمرے نہ کھولے جائیں۔"

"اگر یہ تمہاری غلطی تھی تو پھر سزا بھی تمہی کو ملنی چاہیے ان کو نہیں" فرحت بولی۔

اس کے ساتھ ہی ٹھوکر اس کے سر پر پوری طاقت سے لگی۔ ایک بھیانک چیخ اس کے منہ سے نکل گئی۔ لیکن انہوں نے اس پر بھی بس نہیں کی۔ دو تین ٹھوکریں اور رسید کیں اور جب اچھی طرح یقین ہو گیا کہ وہ بے ہوش ہو گیا ہے تو اسی کمرے کے فرش پر ڈال کر باہر نکل آئے اور دروازہ بند کر دیا۔

باہر انہیں ایک برآمدہ نظر آیا۔ ساتھ ہی ایک دوسرا کمرہ تھا۔ اس کے کنڈے میں کوئی تالا نہیں تھا۔ انہوں نے آگے بڑھ کر اسے کھول ڈالا۔

اندر انسپکٹر کامران مرزا فرش پر آلتی پالتی مارے آنکھیں بند کیے بیٹھے تھے۔

"انکل، آپ — آپ ٹھیک تو ہیں؟" فرحت بوکھلا کر بولی۔

"ہاں، کیوں کیا بات ہے۔ مجھے بھلا کیا ہوا۔" انہوں نے آنکھیں کھول دیں۔

"آپ اس طرح کیوں بیٹھے ہیں؟"

"بس دل ہی دل میں اللہ کا ذکر کر رہا تھا۔ تم سناؤ، یہاں تک کس طرح پہنچ گئے؟"

"بت کا سر گھما کر۔" آصف بولا۔

"ہاں، میں نے بھی یہی کیا تھا، لیکن تم تو ساتھ والے کمرے میں بند تھے، باہر کس طرح نکل آئے؟"

"شور مچا کر۔"

"اور دروازہ کس نے کھولا، وہ کہاں ہے؟"

"اب ہماری جگہ کمرے میں موجود ہے، وہ ایک پتلا دبلا سا آدمی ہے۔"

"آؤ، میں دیکھتا ہوں۔"

وہ باہر نکلے — دروازہ کھول کر کمرے میں داخل ہوئے۔ پتلا دبلا آدمی جوں کا توں پڑا تھا۔

"چلو اسے ہوش میں لاؤ۔"

"یہ اتنی جلدی تو ہوش میں آئے گا نہیں ابا جان — ہم نے اس کی اچھی طرح مرمت کی ہے۔"

"تم نے اچھا نہیں کیا — اس سے بات چیت کر کے ہم کافی باتیں معلوم کر سکتے تھے۔"

"ہوں، آپ ٹھیک کہتے ہیں انکل، ہمیں افسوس ہے۔" فرحت نے شرمسار ہو کر کہا۔

"خیر، آؤ دیکھیں، ہم کس جگہ میں پھنس گئے ہیں۔" وہ اٹھتے ہوئے بولے۔

انہوں نے دروازہ پھر باہر سے بند کیا اور برآمدے میں چلنے

لگے اور پھر ان کی حیرت بڑھ گئی۔

"یہ کیا، ہم تو حویلی میں ہی چل رہے ہیں۔ کسی تہ خانے میں نہیں ہیں۔"

"سچ، جی ہاں — شاید ہمارے بے ہوش ہونے کے بعد وہ لوگ ہمیں اوپر اٹھا لائے ہیں، تاکہ تہ خانے کا راز راز رہ سکے۔" انسپکٹر کامران مرزا بڑبڑائے۔

"لیکن ہمارے لیے پھر تہ خانے میں جانا کیا مشکل ہے، آؤ۔"

وہ ایک بار پھر سلمان جاہ کے کمرے میں داخل ہوئے اور آتش دان کی طرف بڑھے، لیکن پھر ٹھٹک کر رک گئے۔ آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں —

پتھر کا بت آتش دان سے غائب تھا — بت کی جگہ اب ایک چھوٹا سا سوراخ نظر آ رہا تھا — انہوں نے سوراخ میں جھانک کر دیکھا، لیکن کچھ بھی نظر نہ آیا —

"ارے بھئی، وہ بت تو غائب کر دیا گیا۔"

"تاکہ ہم تہ خانے میں نہ جا سکیں — اوہ، مگر نہیں — ہم تہ خانے میں جا سکتے ہیں — یہ کوئی مشکل کام نہیں۔ آؤ، اس پٹے دبلے آدمی کو ہوش میں لانا بہت ضروری ہے۔"

یہ کہہ کر وہ تیزی سے مڑے اور اس کمرے کی طرف دوڑ پڑے — جلدی سے چٹخنی گرائی اور دروازہ کھولنے کے لیے ہینڈل

پکڑ کر کھینچا، لیکن دروازہ نہ کھلا۔

"ملک، کیا بات ہے انکل —" فرحت کانپ اٹھی۔

"دروازہ اندر سے بند ہے۔" وہ بولے۔

"کیا؟" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

پُر ہول منظر

"ہاں، دروازہ اندر سے بند ہے — وہ تمہارے اندازے سے پہلے ہی ہوش میں آ گیا اور ہوش میں آنے کے بعد پہلا کام اس نے یہ کیا کہ دروازہ اندر سے بند کر لیا۔"

"اوہ، یہ تو بہت برا ہوا۔" فرحت نے منہ بنایا۔

"پروا نہ کرو۔" یہ کہہ کر انسپکٹر کامران مرزا نے دروازہ دھڑ دھڑا ڈالا۔

"کک، کون ہے؟"

"ہم ہیں، جنہوں نے تمہیں اندر بند کیا تھا، بھئی یہ کیا شرارت — دروازہ کھولو، ہم تم سے بات کرنا چاہتے ہیں۔" آفتاب بولا۔

"سوری، میں تم لوگوں سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتا۔"

"اچھا چلو، صرف اتنا بتا دو، وہ بت کہاں گیا؟" آصف نے جلدی سے کہا۔

"کہیں سیر کرنے چلا گیا ہوگا۔"

"ہاں واقعی، بھلا اس کے سوا کیا بات ہو سکتی ہے — اچھا تو تمہارا باس کب آئے گا؟"

"پتا نہیں، مرضی کا مالک ہے۔"

"کیا حویلی کے نیچے تہہ خانے میں بس تم دو ہی آدمی مصروف رہتے ہو؟" انسپکٹر کامران مرزا نے کچھ سوچ کر پوچھا۔

"ہاں، ہم دو ہی کافی ہیں — کسی تیسرے کو کیوں بلائیں۔" اس نے جواب دیا۔

"تم لوگ نیچے کیا کرتے ہو؟"

"یہ تو خیر میں نہیں بتا سکتا، باس ناراض ہوگا۔"

"کیا تم جانتے ہو، باس کون ہے؟"

"نہیں، وہ میرے سامنے بھی نقاب پہن کر آتا ہے۔"

"اب تہہ خانے میں داخل ہونے کا کیا طریقہ ہے؟"

"کیوں بتاؤں۔" اس نے بچوں کے سے انداز میں کہا۔

"آؤ، اس سے مغز مارنے کا کوئی فائدہ نہیں، ہم خود کوشش کرتے ہیں۔" انہوں نے برا سا منہ بنا کر کہا اور مڑنے لگے۔

"ہاں بالکل، مجھ سے مغز مار کر اپنا دماغ ہی خراب کرو گے۔" اندر سے ہنس کر کہا گیا۔

انہوں نے کوئی جواب نہ دیا اور عثمان جاہ والے کمرے میں آئے۔

"ایسا معلوم ہوتا ہے، جیسے یہ شخص اور اس کا باس حویلی کے نیچے

کوئی غیر قانونی کام کرتے ہیں — انھوں نے اپنا یہ غیر قانونی کاروبار اس
وقت سے شروع کر رکھا ہے، جب سے سلمان جاہ یہاں سے شہر
چلے گئے تھے، پھر اچانک ایک مدت بعد سلمان جاہ یہاں واپس
آگئے — ان کے واپس آجانے سے ان لوگوں کو پریشانی ہوئی —
کیونکہ اب وہ اپنا کام آزادانہ نہیں کر سکتے تھے — کچھ عرصہ تک
سوچتے رہے کہ کیا کریں — آخر انھوں نے آسیب کا چکر چلانے
کا فیصلہ کیا، تاکہ سلمان جاہ اور ان کے بچے خوف زدہ ہو کر حویلی چھوڑ
دیں اور پھر شہر میں رہنے لگیں۔ انھوں نے اپنا پروگرام شروع کر
دیا، ٹیپ کی ہوئی ایک وحشت ناک چیخ ان لوگوں کو سنائی — اس سے
پہلے وہ سلمان جاہ کو کمرے سے تہہ خانے والے راستے کے ذریعے غائب
کر چکے تھے — بچوں نے ہمیں بلا لیا، پھر سلمان جاہ بھی ڈر گئے اور
وہ شہر چلے گئے، لیکن چونکہ ہم اس معاملے کو ہاتھ میں لے چکے تھے،
اس لیے وہ بدستور فکرمند ہیں — اور ہم سے چھٹکارا پانے کی کوشش
میں ہیں — ادھر ہم نے تہہ خانے کا راستہ تلاش کر لیا اور نیچے
اتر گئے، لیکن وہ تو پہلے ہی ہوشیار تھے، چنانچہ انھوں نے ہمیں
پر کوئی چیز مار کر بے ہوش کر دیا اور دو کمروں میں بند کر دیا۔ اس
کے اس نے ہدایت کی تھی کہ دروازے ہرگز نہ کھولے جائیں۔ لیکن
نے ہدایت پر عمل نہ کیا اور دروازہ کھول دیا — نتیجہ یہ کہ اب ہم
اور وہ کمرے میں بند ہیں۔"

"لیکن اب انھوں نے تہہ خانے کا راستہ غائب کر دیا ہے اور
ہمیں اسی کی ضرورت ہے۔"

"ہاں، خیر کوئی بات نہیں — وہ آخر یہیں آئے گا — ہم چھپ
کر دیکھ رہے ہیں گے کہ وہ تہہ خانے کا دروازہ کس طرح کھولتا ہے۔"
انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"لیکن ابا جان، شاید ہم کامیاب نہ ہو سکیں۔"

"کیا مطلب؟"

"یہ پتلا دبلا آدمی اپنے باس کو خبردار کر دے گا کہ پانسہ پلٹ
گیا ہے۔"

"ہاں، یہ بھی ٹھیک ہے — ہمیں اس کا بندوبست کرنا ہی ہوگا۔"
انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

"دروازہ کھولے بغیر بندوبست کس طرح ہو سکے گا؟" فرحت نے کہا۔

"تم ہی بتاؤ، ہم کیا کریں؟"

فرحت سوچ میں ڈوب گئی، آخر اس نے کہا:

"دروازہ تو ہم سے ٹوٹنے کا نہیں — اس لیے کہ بہت مضبوط
ہے، جس کی وجہ سے ہم دروازہ توڑنے کے لیے حملہ کر بھی نہیں سکتے، لہٰذا
کیوں نہ اس دبلے پتلے آدمی سے چال چلی جائے۔"

"چال، کیسی چال؟"

"مثلاً یہ کہ آپ پیروں کی دھمک پیدا کرتے ہوئے اس کمرے سے نکل

جائیں اور آواز بدل کر کہیں، بھئی تم کہاں ہو — شاید وہ دھوکا کھا
جائے۔"

"لیکن میں نے اس کے باس کی آواز کب سن رکھی ہے؟" انسپکٹر
کامران مرزا نے اعتراض کیا۔

"تجربہ کر دیکھنے میں کیا حرج ہے؟" آصف نے کہا۔

"ہوں، ٹھیک ہے۔"

وہ تجربہ کرنے کے لیے تیار ہو گئے — انسپکٹر کامران مرزا تیز تیز قدم
اٹھاتے اور دھمک پیدا کرتے اس کمرے کے پاس پہنچے اور بھرّائی
ہوئی آواز میں بولے:

"بھئی، تم کہاں مر گئے؟"

"م، میں یہاں ہوں باس — مگر وہ انسپکٹر کامران مرزا اور ان
کے بچے بھی یہیں کہیں موجود ہیں، وہ گھات میں ہیں۔" اس نے فوراً

"تمہارا دماغ چل گیا ہے — یہاں تو کوئی بھی نہیں ہے۔"
کامران مرزا نے اسی انداز میں کہا۔

"وہ ضرور کہیں چھپے ہوئے ہیں۔"

"ہوں گے، مجھے ان کی کوئی پروا نہیں — میں تمہاری طرح
نہیں ہوں۔ ان سے نبٹ سکتا ہوں، تم باہر نکل آؤ۔"

"اوکے باس، میں نکل آتا ہوں۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی انہوں نے چٹخنی گرنے کی آواز سنی۔

ہو گئے — یہ پتلا دبلا آدمی تو شاید عقل سے بالکل ہی پیدل تھا۔ ان کی
چال میں آسانی سے آ گیا تھا۔

دوسرے ہی لمحے دروازہ کھلا — پتلا دبلا آدمی ان کے سامنے
کھڑا نظر آیا، لیکن وہ ٹھٹک کر رہ گئے، کیونکہ اس کے چہرے پر ایک
طنز بھری مسکراہٹ تھی اور ہاتھ میں ایک پستول تھا اور پستول کی
نال کا رخ ان کی طرف تھا۔ اسی وقت اس نے طنزیہ لہجے میں کہا:

"تم لوگ اپنے آپ کو بہت چالاک خیال کرتے ہو — چلو ہاتھ
اوپر اٹھا دو۔"

ان کے ہاتھ مشینی انداز میں اوپر اٹھ گئے۔

○

"چلو، اب تہ خانے میں چلیں — باس کے آنے تک میں تمہیں
وہیں رکھوں گا۔"

"کس طرف چلیں، ہمیں کیا پتا، تہ خانے کا راستہ کس طرف ہے؟"
آفتاب نے جھنجھلا کر کہا۔

"شکست کا جھٹکا لگتے ہی جھلا اٹھے۔ پہلے تو بڑے شوخ انداز
میں باتیں بنا رہے تھے۔"

"ہاں واقعی، بڑی بات ہے آفتاب۔" آصف مسکرایا۔

"اچھا۔" آفتاب نے سعادت مندانہ لہجے میں کہا۔

"سلمان جاہ والے کمرے میں چلو۔"

ان کے قدم سلمان جاہ کے کمرے کی طرف اٹھنے لگے۔ کچھ کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی — وہ تو خود تہہ خانے میں جانا چاہتے تھے —

"تم دونوں آخر نیچے کیا کرتے ہو؟"

"ایک بہت ضروری کام۔" اس نے کہا۔

"کون سا ضروری کام — ہمیں کچھ تفصیل بتاؤ نا؟"

"نیچے چل کر بتا دوں گا — فکر نہ کرو۔" اس نے کہا۔

"اچھی بات ہے۔" انھوں نے ایک ساتھ کہا۔

اس کے آگے چلتے ہوئے سلمان جاہ کے کمرے میں آئے۔

"کمرے کے عین درمیان میں ہاتھ اوپر اٹھائے کھڑے رہو۔ خبردار! کوئی غلط حرکت نہ کرنا — میرا نشانہ بہت غضب کا ہے — کہو تو فوراً دکھا دوں، تم میں سے ایک کے کان کی لو اڑا کر۔"

"شکریہ، آج کل بازار میں کان کی لوئیں مل نہیں رہیں — ورنہ تمہارے نشانے کا تجربہ ضرور کرتے۔" آفتاب بولا۔

"آنکھیں بند کر لو۔"

"لیکن کیوں، آنکھیں بند کروانے کی کیا ضرورت ہے؟"

"ضرورت ہے، اگر تم نے آنکھیں بند نہ کیں تو میں فائرنگ شروع کر دوں گا۔"

"خیر، ہم آنکھیں بند کیے لیتے ہیں۔" انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

انھوں نے آنکھیں بند کر لیں — نہ جانے پتلے دبلے آدمی نے کیا کیا کہ دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دی — ساتھ ہی اس نے کہا:

"اب آنکھیں کھول لو، کیونکہ تہہ خانے کا دروازہ کھل چکا ہے۔"

"شکریہ — آپ کا نام کیا ہے؟" فرحت بولی۔

"کیوں، میرے نام کی کیا ضرورت پڑ گئی؟" اس نے منہ بنایا۔

"الجھن سی محسوس ہو رہی ہے، آخر ہم آپ کو کس نام سے پکاریں؟"

"مجھے پکارنے کی ضرورت ہی کیا ہے — تم لوگ تو یوں بھی اب موت کے منہ میں جا رہے ہو۔"

"ارے باپ رے تو یہ تہہ خانہ موت کا منہ ہے۔"

"ہاں، جاؤ — جا کر تہہ خانے کی سیر کرو۔ معلوم ہو جائے گا تہہ خانہ کیا ہے۔"

وہ سیڑھیاں اترنے لگے — آتش دان پر اب پتھر کا بت نہیں تھا — نہ جانے اس نے بت کے سر کو گھمائے بغیر دروازہ کس طرح کھول لیا تھا —

جوں ہی ان کے پاؤں نچلی سیڑھی پر لگے، دروازہ بند ہو گیا اور گھپ اندھیرا چھا گیا —

"آفتاب، اپنی پنسل ٹارچ نکالو۔"

"جی بہتر۔" اس نے کہا اور جیب میں ہاتھ ڈال دیا —

"یہ کام اتنا آسان نہیں ہے انکل۔" فرحت بڑبڑائی۔

"کون سا کام؟ اس تہ خانے سے نکلنے کا؟" انسپکٹر کامران مرزا نے پوچھا۔

"جی نہیں، پنسل ٹارچ کے جیب سے نکلنے کا۔"

"یہ مجھ پر پھبتی کسی جا رہی ہے ابا جان، لیکن میں اس پھبتی کو ہوا میں اڑا دوں گا — یہ لیجیے، نکل آئی ٹارچ۔"

دوسرے ہی لمحے ٹارچ کی روشنی لہرائی — انسپکٹر کامران مرزا نے ٹارچ لے لی اور سوئچ بورڈ کی تلاش میں روشنی ادھر ادھر لہرانے لگے۔ آخر بورڈ نظر آ گیا — انہوں نے آگے بڑھ کر سوئچ آن کر دیا۔

دوسرے ہی لمحے وہ اپنی چیخیں کسی طرح نہ روک سکے، یہاں تک کہ انسپکٹر کامران مرزا کے منہ سے بھی بلند چیخ نکل گئی تھی۔

سوال یہ ہے

ابھی ان کی چیخیں تہ خانے میں گونج رہی تھیں کہ تہ خانے کا دروازہ کھلا اور اسی پتلے آدمی کی طنزیہ آواز سنائی دی:

"کیوں نکل گئیں نا چیخیں، لیکن ابھی کیا ہے۔ ابھی تو تم اس قدر چیخیں مارو گے کہ تمہارے حلق خشک ہو جائیں گے، لیکن کسی کے کانوں تک تمہاری چیخوں کی آواز نہیں پہنچے گی اور ایک دن تم خود بھی..."

اس نے الفاظ درمیان میں ہی چھوڑ دیے، کیونکہ اسی وقت انسپکٹر کامران مرزا نے سیڑھیوں کی طرف دوڑ لگا دی تھی، لیکن اس سے پہلے کہ وہ سیڑھیوں تک پہنچ سکتے، دروازہ بند ہو گیا اور انہیں ایک جھٹکا سا لگا۔ وہ رک گئے، پھر ان کی طرف پلٹے۔

ایک وحشت ناک ترین منظر ان کے سامنے تھا — یہ ایک بہت لمبا چوڑا کمرہ تھا — چھت کڑوں والی تھی۔ ان کڑوں میں لوہے کے مضبوط کنڈے لگے ہوئے تھے — ان کنڈوں سے موٹے رسّے بندھے تھے اور ہر رسّے کا دوسرا سرا ایک ایک انسانی ڈھانچے کی گردن میں پڑا تھا؛ گویا

ان رسوں سے انسانی پنجر لٹک رہے تھے — کپڑے اور گوشت نام کی کوئی چیز ان پنجروں پر نہیں رہ گئی تھی — بس صرف ہڈیاں نظر آرہی تھیں —

"یا اللہ رحم، یہ ہم کیا دیکھ رہے ہیں؟"

"اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ منظر حد درجے ہولناک ہے لیکن حیرت اس بات پر ہے کہ یہاں بدبو نام کی کوئی چیز نہیں ہے اور نہ گھٹن ہے۔ اس سے تم کیا مطلب اخذ کرتے ہو؟"

"یہ کہ یہ پنجر کوئی آج کے نہیں، نہ جانے کب کے ہیں۔"

"ہاں یہی بات ہے — یہ پنجر بہت پرانے ہیں، نہ جانے کس زمانے کے۔"

"لیکن سوال تو یہ ہے کہ یہ یہاں کہاں سے آ گئے۔ کس نے ان لوگوں کو موت کے گھاٹ اتارا، اور کیوں! جب کہ ہماری معلومات یہ ہیں کہ اس حویلی کو سلمان جاہ کے دادا نے بنوایا تھا — تب، تو کیا حویلی کا یہ تہ خانہ بھی ان کے دادا کا بنوایا ہوا ہے؟" فرحت نے الجھن کے عالم میں کہا۔

"کچھ سمجھ میں نہیں آرہا — ارے ہم ان صندوقوں کو تو بھول ہی گئے۔"

ہر پنجر کے نیچے ایک ایک لکڑی کا بڑا صندوق رکھا تھا۔ ان صندوقوں پر تالے لگے ہوئے تھے۔ پرانے زمانے کے بڑے بڑے تالے۔

"اب انہیں کس طرح کھولیں۔" آفتاب بڑبڑایا۔

انہوں نے ادھر ادھر نظریں گھمائیں، لیکن تہ خانے میں ایسی کوئی چیز نظر نہ آئی، جس سے تالوں پر چوٹ ماری جا سکتی۔

"جب تک ہم ان صندوقوں کو نہ کھول لیں، معاملہ سمجھ میں نہیں آ سکتا۔" انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

"آفتاب، تمہاری جیب میں ایسی کوئی چیز موجود نہیں۔"

"ایک چاقو ہے، لیکن وہ محمود کے چاقو جیسا نہیں ہے کہ لوہے کو بھی کاٹ ڈالے گا۔"

"چلو خیر، وہی نکالو۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"لیکن ذرا جلدی نکالنا۔" فرحت نے فوراً کہا۔

آفتاب اس وقت تک جیب میں ہاتھ ڈال چکا تھا — ہاتھ باہر نکلا تو اس میں چاقو تھا — انسپکٹر کامران مرزا نے چاقو لیا اور ایک صندوق کی لکڑی کنڈے کے پاس سے کاٹنے لگے — چاقو کوئی تیز تھا، اور لکڑی بہت پرانی، پھر بھی انہیں کنڈے کا قبضہ اکھاڑنے میں پندرہ منٹ لگ گئے۔ آخر صندوق کا ڈھکنا اوپر اٹھا — ان کے اوپر کے سانس اوپر اور نیچے کے نیچے رہ گئے — صندوق سونے اور چاندی کے زیورات سے بھرا ہوا تھا —

"حیرت ہے — اتنے زیورات کہاں سے آ گئے۔" انسپکٹر کامران مرزا بڑبڑائے —

"اور وہ بھی قسم قسم کے۔" آصف بولا۔

انہوں نے زیورات کو الٹ پلٹ کر دیکھا، ہر زیور دوسرے سے مختلف تھا۔

"یہ تو ان گنت زیور ہیں اور اگر ان باقی صندوقوں میں بھی زیورات ہی ہیں تو پھر یہ سوال سامنے آتا ہے، اتنے بہت سے زیورات حویلی کے نیچے اس تہ خانے میں کہاں سے آ گئے۔ یہ سب یہاں کون لایا، یہ پنجر کن آدمیوں کے ہیں، آخر یہ سب کیا چکر ہے، وہ دبلا پتلا آدمی اور اس کا باس کون ہیں، ان زیورات سے ان کا کیا تعلق ہے؟" وہ پریشانی کے عالم میں کہتے چلے گئے۔

"یہ تو ساری کی ساری باتیں ہماری سمجھ سے باہر ہیں۔ اب کیا کیا جائے؟" فرحت بولی۔

"تہ خانے سے نکلنے اور اس دبلے پتلے آدمی کے باس کو گرفتار کرنے کی کوشش کے سوا ہم کر ہی کیا سکتے ہیں۔ اس سارے راز سے پردہ تو بس وہی اٹھا سکتا ہے۔"

"اور میں یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ تہ خانے سے نکلنے کا کوئی اور راستہ بھی ضرور ہے، ورنہ وہ سلطان باو صاحب کو جنگل میں کیسے پہنچا سکتے تھے۔"

"ہاں، یہ بھی ٹھیک ہے۔ تو پھر جلدی کرو، وہ راستہ تلاش کرو۔"

انہوں نے راستے کی تلاش شروع کر دی۔ انسپکٹر کامران مرزا کچھ سوچ کر سیڑھیوں کی طرف گئے اور ایک ایک سیڑھی کو ٹٹول کر دیکھنے لگے۔

آخر سب سے پچھلی سیڑھی کے پہلو میں ایک ننھا سا ابھار نظر آیا۔ اسے پکڑ کر گھمایا گیا تو سامنے والی دیوار میں ایک دروازہ نمودار ہو گیا۔ انہوں نے سیڑھیاں اوپر جاتے دیکھیں۔ جلدی جلدی سیڑھیاں طے کر کے اوپر پہنچے تو خود کو حویلی سے باہر پایا۔ یہ حویلی کا پچھلا حصہ تھا۔ جوں ہی وہ باہر نکلے، دروازہ خود بخود بند ہو گیا۔ اس کے آس پاس کا جائزہ لیا تو حویلی کی دیوار میں ایک اور ابھار نظر آیا۔

"بس ٹھیک ہے۔ اسے کھول کر ہم پھر تہ خانے میں جا سکتے ہیں، لیکن اب ہم یہاں کسی کو چھوڑے بغیر نہیں جا سکتے۔ حویلی کے نیچے ایک بہت بڑا خزانہ موجود ہے۔ شاہد اور اس کے ماتحتوں کو بلانے کے لیے فون کرنا ہوگا اور اس غرض کے لیے ہمیں پھر حویلی میں جانا ہوگا۔ آؤ۔" انہوں نے کہا اور صدر دروازے کی طرف چل پڑے۔

دروازہ باہر سے بند ملا، لیکن تالا لگا ہوا نہیں تھا۔ اس وقت انہیں یاد آیا کہ فون تو بے کار کر دیا گیا تھا، چنانچہ انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"میں یہاں ٹھہرتا ہوں، تم شہری حدود میں پہنچ کر فون کر آؤ۔"

"آپ کو تنہا یہاں ڈر نہیں لگے گا؟" آفتاب نے گھبرا کر کہا۔

"ڈر، کیا کہہ رہے ہو بھئی۔ ڈر تو دل کے قریب آتے ہوئے خود ڈرتا ہے۔" آصف مسکرایا۔

"تو اب ڈر بھی ڈرنے لگا۔" آفتاب نے جل کر کہا۔

"بس اب جاؤ۔ انہیں تو راستے ہی میں بھی کر سکتے ہو" انسپکٹر کامران مرزا نے برا سا منہ بنایا۔

اور وہ تینوں وہاں سے روانہ ہو گئے — آدھ گھنٹے بعد ان کی واپسی ہوئی — انسپکٹر کامران مرزا حویلی کے گرد ٹہلتے رہے۔

"سب خیریت رہی نا اباجان؟"

"ہاں، ایسا معلوم ہوتا ہے، جیسے وہ پتلا دبلا آدمی ہمارے پہنچ جانے کی اطلاع اپنے باس کو دینے چلا گیا ہے اور اب وہ لوٹ کر نہیں آئیں گے — کم از کم دس پندرہ دن بعد ہی وہ تہ خانے میں داخل ہونے کی جرأت کر سکیں گے، جب انہیں یقین ہو جائے گا کہ ہم موت کے منہ میں جا سوئے ہیں۔"

"لیکن ہم دس پندرہ دن تک کس طرح انتظار کر سکتے ہیں؟" فرحت حیران رہ گئی۔

"تم میرا مطلب غلط سمجھیں، ہم اس انتظار میں یہاں نہیں بیٹھ جائیں گے کہ کب وہ آتے ہیں اور کب ہم انہیں گرفتار کرتے ہیں۔"

"پھر آپ انہیں کس طرح گرفتار کریں گے۔ کیا آپ جان چکے ہیں کہ وہ کون ہیں؟"

"ابھی نہیں، لیکن یہ کوئی ایسا مشکل معاملہ نہیں ہے۔" انہوں نے کہا۔

"اوہ، شاید آپ اس عینک اور کوٹ کے بٹن کے بارے میں

سوچ رہے ہیں؟" آصف چونکا۔

"ہاں، یہ بات بھی ہو سکتی ہے۔"

ایک گھنٹے بعد شاہد اور اس کے ماتحت آ گئے — انہوں نے حویلی کو گھیرے میں لے لیا — سامان چاہ والے کمرے میں اور حویلی کے پچھلے حصے پر جہاں دروازہ کھلتا تھا، خاص آدمی مقرر کیے گئے اور پھر انسپکٹر کامران مرزا، شاہد اور چند آدمیوں کے ساتھ تہ خانے میں داخل ہوئے —

اب ان کے پاس اوزار تھے، لہٰذا ایک ایک کرکے وہ سب صندوقوں کو کھولتے چلے گئے — ان سبھی میں زیورات بھرے ہوئے تھے۔ نقدی کسی ایک میں بھی نظر نہ آئی — آخری صندوق میں البتہ زیورات کی بجائے کچھ کتابیں، نوٹ بکیں وغیرہ نظر آئیں —

"وہ مارا — اب ملی ہیں اصل چیزیں۔" آفتاب چہک اٹھا۔

کتابوں اور نوٹ بکس والے صندوق کو اوپر لایا گیا اور وہ ایک ایک نوٹ بک اور کتاب کا جائزہ لینے لگے — ان کی حیرت بڑھتی چلی گئی — کتابوں کے عنوان پڑھ پڑھ کر تو وہ زیادہ ہی حیران ہوتے رہے —

"حیرت ہے، یہ سب کتابیں تو ٹھگوں کی لکھی ہوئی ہیں اور سب کی سب ہاتھ کی لکھی ہوئی ہیں — ماہر ٹھگوں نے اپنے تجربات لکھے ہیں کہ کس کس طرح انہوں نے لوگوں کو ٹھگا اور قانون سے محفوظ رہے۔"

"تو پھر، یہ تہ خانہ کچھ ٹھگوں کے قبضے میں رہا ہے اور وہ لوگوں کو ٹھگ ٹھگ کر زیورات اس تہ خانے میں جمع کرتے رہے ہیں" فرحت بڑبڑائی۔

"اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے"

"ہاں، لیکن یہ حویلی تو سلمان جاہ کے دادا نے بنوائی تھی" اعصمت بول اٹھا۔

"ہاں، یہی بات مجھے پریشان کر رہی ہے۔۔۔ دو ہی باتیں ہو سکتی ہیں، یا تو سلمان جاہ کا دادا کوئی بہت بڑا ٹھگ تھا یا پھر حویلی جن معماروں سے تعمیر کروائی گئی، ان میں کچھ ٹھگ بھی تھے۔۔۔ انہوں نے خفیہ طور پر حویلی کے نیچے ایک تہ خانہ بنا لیا اور پھر سلمان جاہ کے دادا کی بے خبری میں اسے استعمال کرنے لگے۔ جن لوگوں کو ٹھگتے ان کے زیورات یہاں جمع کرتے رہے اور جو لوگ ان کے ہاتھوں مارے جاتے انہیں بھی اس تہ خانے میں بند کرتے رہے، تاکہ ان کے خلاف کسی کو کوئی ثبوت نہ مل سکے۔"

"ہاں، لیکن انکل" فرحت کانپ کر رہ گئی۔

"لیکن انکل کیا؟" آفتاب نے اسے گھورا۔

"یہ بات تو ہے سلمان جاہ کے دادا کے زمانے کی۔۔۔ آج کسی کو اس تہ خانے کے بارے میں کس طرح معلوم ہو گیا؟" فرحت نے کہا۔

"اوہ" وہ دھک سے رہ گئے۔ یہ تو ایک بہت ہی اہم بات تھی۔

○

تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد انسپکٹر کامران مرزا بولے،

"شاہد، میں سوچ رہا ہوں، سلمان جاہ کو یہاں بلانا ہی پڑے گا۔"

"تو پھر انکل، ساتھ ہی خیر جہاں کو بھی بلا لیں۔"

"نہیں بھئی، ابھی یہ کسی طرح بھی مناسب نہیں۔"

"تو پھر میں سلمان جاہ کو بلا لاؤں۔"

"ہاں، شاید وہ اس راز سے پردہ اٹھا سکیں۔۔۔ اس دوران ہم کتابوں اور نوٹ بکوں کا جائزہ لے لیتے ہیں۔"

شاہد چلا گیا۔۔۔ وہ پھر کتابوں اور نوٹ بکوں میں غرق ہو گئے۔۔۔ آخر فرحت نے ایک نوٹ بک ان کے سامنے کرتے ہوئے کہا:

"یہ نوٹ بک قابل غور ہے۔"

"اوہ، اسے بھی دیکھ لیتے ہیں۔" آفتاب نے منہ بنایا۔

وہ اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔۔۔ جوں جوں اسے پڑھتے گئے، حیرت بڑھتی گئی۔۔۔ ایسے میں قدموں کی آواز سنائی دی۔۔۔ نظریں اٹھائیں تو سلمان جاہ اور ان کے پیچھے کھڑے نظر آئے۔۔۔ ان کے چہروں پر

حیرت اور خوف کے آثار تھے۔

"خیر تو ہے انسپکٹر کامران مرزا صاحب؟"

"آپ کے دادا کا نام کیا تھا؟" انھوں نے فوراً کہا۔

جاہ" ۔۔ وہ بولے۔

"ان کا کوئی اور نام بھی تھا، کوئی عرفیت وغیرہ؟"

"ہاں، میرے والد بتایا کرتے تھے، وہ گیٹو کہلاتے تھے۔" سلمان جاہ

نے بتایا۔

"اوہ" ۔۔ وہ دھک سے رہ گئے۔۔ سلمان جاہ اور ان کے بچے

اور بھی پریشان ہو گئے۔

"آخر بات کیا ہے؟"

"تو یہ حویلی آپ کے دادا نے بنوائی تھی؟"

"ہاں، میری اطلاعات یہی ہیں۔"

"تب پھر آپ کو ایک ہولناک خبر سننا ہو گی۔" انھوں نے پُر سکون آواز میں کہا۔

"ہولناک خبر، کیا مطلب؟"

"آپ کے دادا اپنے وقت کے بہت بڑے ٹھگ تھے۔"

"کیا؟" وہ چلا اٹھے۔

"ہاں، سلمان جاہ صاحب، اس بات میں اب کوئی شک نہیں ہے۔

وہ خود اس نوٹ بک میں اس بات کا اقرار کرتے ہیں۔۔ یہ دیکھیے، وہ اس نوٹ بک میں اپنا نام گیٹو ٹھگ لکھتے ہیں۔ یہ اقرار بھی کرتے ہیں کہ یہ حویلی انھوں نے خود ہی بنوائی تھی اور اس کے نیچے خفیہ طور پر تہہ خانہ بھی خود ہی بنوایا تھا۔۔ تہہ خانہ راتوں کے دوران بنایا گیا اور جن کاریگروں نے اس تہہ خانے کو بنایا تھا، آپ کے دادا نے ان سب کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔"

"کیا؟" سلمان جاہ اور ان کے بچے چلا اٹھے۔ آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیل گئیں۔

"جی ہاں، اسی لیے میں نے پہلے آپ سے ان کی عرفیت معلوم کر لی تھی، ورنہ آپ یہ کہہ دیتے کہ نہیں، میرے دادا کا دوسرا نام گیٹو نہیں تھا۔۔ اب آیئے، تہہ خانے میں چلیں۔"

"وہاں کیا ہے؟" سلمان جاہ کھوئے کھوئے لہجے میں بولے۔

"ہولناک چیزیں، دل مضبوط کر لیں۔۔ ڈر نہ جایئے گا۔" انسپکٹر کامران مرزا اٹھتے ہوئے بولے۔

وہ ڈرتے ڈرتے تہہ خانے میں داخل ہوئے اور پھر ان کی چیخیں تہہ خانے میں گونج کر رہ گئیں۔۔ انسانی پنجروں کو دیکھ کر بھلا وہ کس طرح اپنی چیخیں روک سکتے تھے۔

اب انھیں زیورات سے بھرے ہوئے صندوق دکھائے گئے۔ پھر وہ اوپر آ کر بیٹھ گئے اور اس وقت انسپکٹر کامران مرزا نے پُرسکون

آواز میں کہا۔

"اب سوال یہ ہے کہ یہ تہ خانہ کس نے دریافت کیا اور کیسے کیا، اسے کس طرح معلوم ہو گیا کہ اس حویلی کے نیچے کوئی تہ خانہ موجود ہے؟"

وہ آ رہا ہے

"حیرت انگیز — خوف ناک اور سنسنی خیز — میرے لیے یہ سب باتیں ناقابل یقین ہیں — میں تو کبھی خواب میں بھی نہیں سوچ سکتا کہ میرے دادا ایک ٹھگ تھے۔"

"آپ بے شک نہ سوچ سکیں، لیکن حقیقت یہی ہے۔"

"کیا آپ مجھے بھی مجرم خیال کر رہے ہیں؟"

"نہیں، لیکن کوئی شخص تو ایسا ہے، جس نے اس تہ خانے کا راستہ تلاش کر لیا اور یہ سارا خزانہ نکال لے جانا چاہتا تھا، لیکن پھر آپ حویلی میں واپس آ گئے اور اس کے لیے مشکلات پیدا ہو گئیں، لہذا اس نے آسیب کا چکر چلا کر آپ کو یہاں سے بھگا دینا چاہا، تاکہ اپنا کام اطمینان سے کر سکے۔ اس معاملے میں اگر کوئی الجھن ہے تو صرف یہ کہ اگر وہ آپ پر یہ ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ یہاں آسیب رہنے لگے ہیں تو اس نے آپ کے دوست شیر جہاں کی عینک اور بٹن کیوں کمرے میں ڈالا؟ یہ بات میری سمجھ سے باہر ہے۔"

"میں تو خود حیران ہوں۔"

"دوسرے الفاظ میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ شیر جہاں ہی وہ آدمی ہے، جس نے اس تہہ خانے کا راستہ معلوم کر لیا تھا۔"

"یہ — یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

"اور جب وہ آپ کو غائب کرنے کا چکر چلا رہا تھا تو اسی کوشش میں اس کا بٹن اور عینک یہاں گر گئے — ہو سکتا ہے، وہ معمولی سا زخمی بھی ہو گیا ہو اور اسی سلسلے میں اس کے خون کا قطرہ فرش پر گر گیا ہو — یا پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس نے اپنے چکر میں زور پیدا کرنے کے لیے خون کا قطرہ خود ہی گرایا ہو اور ٹب کے پانی میں تھوڑا سا خون ملا دیا ہو — خون کسی جانور کا بھی ہو سکتا ہے، کبوتر وغیرہ کا۔"

"تب پھر اسے اپنی چیزیں گرانے کی کیا ضرورت تھی؟" سلمان جاہ نے اعتراض کیا۔

"ہاں، میرے ذہن میں یہی بات چبھ رہی ہے۔ اگر یہ ساری حرکات اسی کی ہیں تو پھر اسے اپنی چیزیں فرش پر گرانے کی کیا ضرورت تھی اور اس سوال کا ابھی تک میں کوئی جواب نہیں سوچ سکا۔"

"اس کا ایک ہی جواب ہو سکتا ہے اور ذہن میں اس کے سوا کوئی اور بات آتی بھی نہیں اور وہ یہ کہ یہ چکر واقعی شیر جہاں کا

چلایا ہوا ہے — دونوں چیزیں گھبراہٹ میں اس سے گر گئیں، اٹھانے کا خیال اسے نہیں رہا — اس طرح معاملہ بالکل صاف ہو جاتا ہے۔" فرحت نے جلدی جلدی کہا۔

"ہاں، تم ٹھیک کہتی ہو، اس طرح معاملہ واقعی صاف ہو جاتا ہے — اب سوال یہ ہے کہ شیر جہاں کو اس تہہ خانے کے بارے میں کس نے بتایا؟" آصف بولا۔

"گیٹو صاحب کے کچھ ساتھی بھی رہے ہوں گے — اس کے مرنے کے بعد وہ گروہ ٹوٹ گیا ہوگا، لیکن ان میں سے کسی ایک کو اس تہہ خانے کے بارے میں ضرور معلوم ہوگا — آخر گیٹو کسی پر تو ضرور اعتبار کرتا رہا ہوگا — ہو سکتا ہے، شیر جہاں گیٹو کے کسی ساتھی کی اولاد میں سے ہو اور مرتے وقت اس ساتھی نے تہہ خانے کا راز بتا دیا ہو۔"

"ہوں، بات دل کو لگتی ہے۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"تو پھر شیر جہاں کو گرفتار کر لیں۔"

"اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں، لیکن ہم یہ کام شہر جا کر ہی کریں گے — آئیے چلیں۔"

وہ سب شہر کی طرف روانہ ہوئے اور سلمان جاہ کی کوٹھی میں پہنچ گئے۔

"آپ پہلے شیر جہاں کو فون کر کے یہاں بلا لیں، پھر ہم اس سے

بات کریں گے۔"

"اچھی بات ہے۔"

انھوں نے شیر جہاں کو فون کیا اور ریسیور رکھتے ہوئے بولے:

"وہ آ رہا ہے۔"

وہ شیر جہاں کا انتظار کرنے لگے۔ اسی وقت سانگا چائے لے آیا۔

"بھئی واہ، اچھے وقت پر چائے لائے۔ آج ہم پی بھی تو نہیں سکے۔ چلو ذرا خود ہی چائے بنا دو سانگے۔" انسپکٹر کامران مرزا خوش ہو کر بولے۔

"جی بہتر۔" اس نے کہا اور چائے بنانے لگا۔

ابھی وہ چائے ختم بھی نہیں کر پائے تھے کہ شیر جہاں اندر داخل ہوا اور پھر ٹھٹک کر رک گیا۔

"اوہو، یہاں تو بہت لوگ جمع ہیں۔"

"سب آپ کا انتظار کر رہے تھے۔" انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

"میرا انتظار، کیا مطلب؟"

"بیٹھ جائیے، ہم اطمینان سے بات کریں گے۔"

"معاملہ کیا ہے؟"

"معاملہ بہت لمبا، پرانا اور پیچیدہ ہے۔" آفتاب نے مسکرا کر کہا۔

"کیا مطلب؟" وہ چونکا۔ "آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟"

"سلمان جاہ صاحب کی حویلی کے نیچے ایک تہہ خانہ موجود ہے۔ اس تہہ خانے میں کئی انسانی پنجر ٹنگے ہوئے ہیں اور آٹھ نو بڑے بڑے لکڑی کے صندوق سونے اور چاندی کے زیورات سے بھرے پڑے ہیں۔"

"کک، کیا مطلب۔ یہ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" شیر جہاں کانپ اٹھا۔

"کیوں، ہو کیوں نہیں سکتا۔" آفتاب نے منہ بنایا۔

"یہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ سلمان جاہ کے دادا ایک بہت بڑے ٹھگ تھے، ماہر ٹھگ۔ انھوں نے وہ حویلی خود بنوائی تھی۔ اس کے نیچے ایک تہہ خانہ بھی خود ہی بنوایا تھا، پھر اپنے گروہ کے ساتھ ٹھگی کی وارداتیں شروع کیں۔ ان کے گروہ میں ان کا ایک بااعتماد ساتھی بھی تھا، وہ ساتھی ان کا رازدار بھی تھا، اسے تہہ خانے کے بارے میں بھی پتا تھا، پھر پتا نہیں کیا ہوا، گروہ کس طرح ٹوٹ گیا، اس بارے میں معلومات نہیں مل سکیں، بہرحال اب اس بااعتماد ساتھی کی اولاد میں سے کسی نے اس تہہ خانے کو کھول ڈالا اور زیورات کے صندوق نکالنے کی تیاری شروع کر دی، لیکن اس دوران سلمان جاہ واپس حویلی میں آ گئے۔ پھر دو ماہ تک تو وہ خاموش بیٹھا رہا، آخر اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا اور اس نے آسیبی چکر چلانے کا پروگرام بنایا، اس سلسلے

میں اس نے پہلا قدم یہ اٹھایا کہ سلطان جاہ صاحب کو غائب کر دیا۔
لیکن ان کے بچوں نے یہ عقل مندی کی کہ مجھے فون کر دیا۔ اگر ہم
اس معاملے میں شریک نہ ہوتے، تو ہو سکتا ہے، آپ کا یہی چکر کامیاب
ہی ہو جاتا اور وہ سارے صندوق ہڑپ کر جاتا اور کسی کو کانوں کان
خبر بھی نہ ہوتی کہ کسی زمانے میں اس حویلی میں ٹھگوں کا دور دورہ
تھا۔ یہ ہے کل کہانی۔" انسپکٹر کامران مرزا کہتے چلے گئے۔

"آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟" شیر جہاں نے جھلا کر کہا۔

"یہ کہ اس اعتماد ساتھی کی اولاد میں سے آپ ہی ہیں اور
یہ سارا کارنامہ آپ نے انجام دیا ہے۔ کمرے کے فرش پر بٹن اور
عینک بھی آپ کی ہی لی ہیں۔"

"یہ غلط ہے، بالکل غلط ہے۔ میرے تو فرشتوں کو بھی نہیں
معلوم کہ اس حویلی کے نیچے کوئی تہ خانہ بھی ہے اور اس میں کوئی
خزانہ بھی موجود ہے۔" اس نے کانپتی آواز میں کہا۔

"لیکن جناب مشکل یہ ہے کہ ہمارے پاس مجرم کے خون کا نمونہ
موجود ہے۔" انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

"کیا مطلب؟"

"مجرم کے جسم سے کچھ خون بہہ گیا تھا۔ شاید سلطان جاہ کو اٹھاتے
وقت اس کے چوٹ لگ گئی ہوگی۔ خون کا ایک قطرہ فرش پر پڑا
تھا۔ ہم نے اسے محفوظ کر لیا۔ اب ہم آپ کے جسم سے خون کے چند

قطرے نکال لیں گے اور دونوں کو ملا کر دیکھ لیں گے۔ اگر خون ایک ہی
ہوا تو آپ مجرم ثابت ہو جائیں گے۔"

"ویری گڈ، یہ تو بہت ہی اچھی بات ہے۔" شیر جہاں خوش
ہو کر بولا۔

"کیا مطلب، بہت ہی اچھی بات ہے؟" آصف نے حیران ہو
کر پوچھا۔

"ہاں، بالکل۔ اس سے اچھی بات بھلا اور کیا ہو سکتی ہے
کہ اس طرح میں بالکل بے گناہ ثابت ہو جاؤں گا، کیونکہ گزشتہ
ایک ہفتے سے میرے جسم پر خراش تک نہیں آئی۔"

"ہو سکتا ہے، آپ کی بات درست ہو، لیکن ہم خون کا نمونہ
ضرور حاصل کریں گے۔"

"مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" اس نے کندھے اچکائے۔

انسپکٹر کامران مرزا نے ڈاکٹر کو فون کیا۔ فضا ناخوشگوار ہو
چلی تھی۔ آخر خدا خدا کر کے ڈاکٹر صاحب تشریف لے آئے۔ انہوں
نے شیر جہاں کا خون لیا۔ وہ حویلی والے کمرے سے ملنے والے خون
کی رپورٹ بھی لائے تھے۔ اب شیر جہاں کے خون کا تجزیہ وہیں
کیا گیا اور پھر ڈاکٹر صاحب بولے۔

"مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ یہ دونوں خون ایک دوسرے
سے بالکل مختلف ہیں۔"

"اوہ" — ان کے منہ سے نکلا — پھر انسپکٹر کامران مرزا نے جلدی سے کہا:

"حویلی سے ملنے والا خون ہے تو انسان ہی کا؟"

"جی ہاں، اس میں کوئی شک نہیں۔"

"تب پھر، مجرم کون ہے؟" آفتاب نے حیران ہو کر کہا۔

"مجرم ابھی مجرم ہمارے سامنے ہے۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"آپ کے سامنے — ارے باپ رے — انکل سلمان جاہ اور مجرم؟" فرحت چیخ اٹھی۔

"یہ — یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں انسپکٹر کامران مرزا؟" سلمان جاہ بوکھلا اٹھا۔

"آپ لوگ غلط سمجھے — میرے سامنے اس وقت صرف سلمان جاہ ہی موجود نہیں ہیں، ساتھا بھی موجود ہے۔" انسپکٹر کامران مرزا نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

"کیا؟" وہ سب ایک ساتھ چلا اٹھے — ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی اور منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔

"ہاں بھئی، اس کی انگلی پر بندھی ہوئی پٹی پر میری نظر ابھی ابھی پڑی ہے اور جوں ہی میں نے اس کی انگلی کی طرف دیکھا، اس کا رنگ اڑ گیا، لہٰذا میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ مجرم یہی ہے، شیر جہاں کا بٹن کسی وقت یہاں گر گیا ہوگا۔ اس نے وہ اپنے پاس رکھ لیا،

اسی طرح کسی روز جھنک بھی رہ گئی ہوگی، اس نے وہ بھی رکھ لی اور پھر اسے کمرۂ واردات میں گرا دیا، تاکہ اگر اپنی چال ناکام بھی ہو جائے تو بھی اس پر تو کوئی شک کرے ہی نہ — لے دے کے شیر جہاں شک کی زد میں آئے، لیکن اس کی بدقسمتی کہ سلمان جاہ کو کندھے پر اٹھاتے ہوئے اس کی انگلی میں کوئی نوکیلی چیز چبھ گئی اور انگلی سے خون نکل آیا، پھر اس نے اپنی انگلی کو پانی کے ٹب میں دھو ڈالا — یہی وہ تنگ منک اور چپٹا ریلا آدمی ہے، جس نے ہمیں پرانی حویلی میں چکر دیے — اس کا کوئی بھائی وائی نہیں ہے، وہ جھوٹ بول رہا تھا — اس نے اس راز میں کسی کو بھی شریک کرنا پسند نہیں کیا، کیونکہ جانتا تھا، اگر کسی کو شریک کر لیا تو ہو سکتا ہے، وہ اسے ختم کر دے اور تمام صندوقوں پر خود ہی قبضہ کر لے۔ تمام کے تمام صندوق کسی دوسری جگہ منتقل کرنا بھی آسان کام نہیں تھا۔ لہٰذا اس نے سوچا کہ یہ صندوق حویلی میں ہی رکھے گا — بس حویلی کو آسیب زدہ ثابت کر کے خالی کرا لے گا اور پھر آزادانہ اس خزانے کو حاصل کرتا رہے گا۔"

یہاں تک کہہ کر انسپکٹر کامران مرزا خاموش ہو گئے۔

"ایک بات ابھی تک سمجھ میں نہیں آئی، آجان ایجر کے بٹن میں کرنٹ کس طرح تک آتا تھا؟"

"دراصل وہ بٹ پتھر کا نہیں، بجلی کا تھا، لیکن اس کا رنگ

زنگ آلود ہونے کی وجہ سے سیاہ پڑ گیا تھا۔ بجلی کے دو تار اس
سے جوڑے گئے تھے جو آتش دان والے سوراخ میں سے نکلتے ہیں۔
بت کے سر کو جب گھمایا جاتا تھا تو تار آپس میں مل جاتے تھے اور
دروازہ نمودار ہو جاتا تھا۔ سلمان جاہ کے دادا مرنے سے پہلے تاروں
کا کنکشن کاٹ گئے ہوں گے، جو اس نے جوڑ دیا۔ بت کو کسی مسالے
سے آتش دان کے ساتھ چپکا دیا ہوگا۔"

"تو یہ تھی کہانی۔ کیوں جناب، آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں
اس کہانی پر۔" آفتاب نے شوخ انداز میں مجرم کی طرف دیکھا، لیکن
اس کے منہ سے کوئی لفظ نہیں نکل سکا۔ شاید وہ سوچ رہا تھا اس
کا سارا منصوبہ دھرا کا دھرا رہ گیا۔ سوچا تھا کیا، ہو کیا گیا۔ ایسے میں
انسپکٹر کامران مرزا بولے:

"تاہم اتنا ہے کہ اس کیس کے مجرم نے کوئی سنگین جرم نہیں
کیا۔ دولت اور وہ بھی اس قدر دولت دیکھ کر تو اچھے اچھے
لالچ میں آ جاتے ہیں۔ بہر حال اس کی سزا کا فیصلہ تو عدالت ہی
کرے گی اور اب ہم چلیں گے۔"

"خدا کا شکر ہے، بلا سر سے ٹلی، ورنہ میں تو سمجھا تھا، حویلی گئی
ہاتھ سے۔" سلمان جاہ نے سکون کا سانس لیا۔

"ہاں، آپ اب شوق سے اس حویلی میں رہیں۔ آپ کو کوئی آواز
پریشان نہیں کرے گی اور نہ کوئی اغوا کرنے کی کوشش کرے گا،

کیونکہ حویلی میں اب وہ چیز رہے گی ہی نہیں، جس کی وجہ سے کوئی پریشان
کرنے کا پروگرام بنا سکے۔"

"گویا دولت کا یہ انبار سرکاری خزانے میں جائے گا۔" آصف
بولا۔

"تو اور کیا سلمان جاہ صاحب کو ملے گا؟"

"مجھے تو خیر ایسی دولت کی ضرورت بھی نہیں۔" سلمان جاہ
کانپ کر بولے۔

"یہ دولت تو پتہ نہیں کتنے انسانوں کا خون کر کے حاصل کی
گئی ہے، بھلا کس کو راس آ سکتی ہے۔"

"گویا یہ خونی دولت ہوئی۔" آفتاب نے کہا۔

"صرف یہی نہیں۔ دولت خونی ہوتی ہے۔ دنیا میں جتنے
فتنے بپا ہوتے ہیں، ان میں زیادہ تر دولت کی وجہ سے ہی پیدا
ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دولت کے فتنے سے بچائے۔"
انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"آمین۔" ان کے منہ سے نکلا۔
اور وہ کوٹھی سے باہر نکل آئے۔

"ارے ہاں، وہ آوازوں کا راز تو رہ ہی گیا۔" آصف بولا۔
"معمولی سی بات ہے۔ ٹیپ ریکارڈر عام چیز ہے۔ آتش دان

کے نیچے والے والکڈ میں اس نے سپیکر چھپا دیا ہوگا — یا پھر یہ بھی ممکن ہے کہ یہ سسٹم دیواروں میں فٹ ہو اور ایسا گیٹو نے خود ہی کرایا ہو — ہمارے مجرم نے تو بس اتنا کیا ہو گا کہ استعمال کا طریقہ سمجھ لیا اور تہ خانے میں جا کر اسی طریقے پر عمل کرتا رہا اور بس۔ انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

"لیکن ابا جان، اس بت میں کبھی تو کرنٹ لگتا تھا اور کبھی نہیں۔"

"زنگ کی وجہ سے۔" انھوں نے کہا۔

"اوہ ہاں، واقعی — زنگ میں کرنٹ اچھی طرح نہیں دوڑ پاتا۔ ہمارے مہربان نے چونکہ نیچے سے بٹن دبا رکھا تھا، اس لیے بت کام کرنے لگا تھا — گیٹو مرنے سے بہت پہلے سوئچ آف کر چکا تھا۔ اس لیے بعد میں بت میں نہ تو کرنٹ دوڑا اور نہ اس سے تہ خانے کا دروازہ کھلا۔"

"یہ سب تو خیر ہوا، لیکن وہ غلط آدمی تو رہ ہی گیا — ہم تو مجرم اسی کو سمجھے رہے۔"

"یعنی اگر وہ مجرم ثابت نہیں ہو سکا تو ہم زبردستی تو اسے گرفتار کرنے سے رہے۔" انسپکٹر کامران مرزا نے منہ بنایا۔

"زبردستی تو خیر ہم نے آج تک کسی کو بھی گرفتار نہیں کیا ابا جان۔"

آفتاب نے معصومانہ انداز میں کہا۔

ان کے چہروں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔
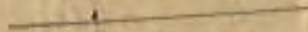
خوف کی آواز کا انعامی سوال

س : آپ نے مجرم کو کون سے صفحے پر پہچانا ؟

۲۵/ روپے نقد انعام — موصول ہونے والے تمام درست
جوابات کی قرعہ اندازی کے بعد پانچ درست جوابات میں
مبلغ ۵/ روپے فی کس کے حساب سے تقسیم کیا جائے گا۔
اپنا جواب بالکل الگ کاغذ پر لکھیں۔ اس پر اپنا نام اور
پتا ضرور لکھیں — چھوٹے چھوٹے پرزے استعمال نہ کریں
جواب ہر ماہ کی بیس تاریخ تک وصول کیے جاتے ہیں اور
اگلا ناول بازار میں آنے کے فوراً بعد انعامات روانہ کر دیے
جاتے ہیں —

(ادارہ)